تنقید وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے
زبان سے تنقید نکلتی ہے اور دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے

ایک بُری عادت ہے

حضرت مولانا محمد علاء الدین قاسمی حفظہ اللہ

خلیفہ مجاز

مرشد عالم حبیب الامت حضرت مولانا
ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی صاحب ادام اللہ فیوضہم

ناشر: خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور در بھنگہ (بہار)

تنقید وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے

زبان سے تنقید نکلتی ہے اور دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے

حضرت مولانا محمد علاء الدین قاسمی حفظہ اللہ

خلیفہ ومجاز

مرشد حبیب الامت حضرت مولانا

ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی صاحب ادام اللہ فیوضہم

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

۲۰۱۹ء ــــ ۱۴۴۰ھ

نام کتاب : تنقید ایک بُری عادت ہے

مرتب : حضرت مولانا محمد علاء الدین قاسمی

کمپیوٹر کتابت : عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات : 240

اشاعت :

تعداد :

قیمت :

ملنے ♦ خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ بہار (انڈیا)

کے ♦ مولانا عبد المجید صاحب قاسمی : صدر : دار العلوم محمودیہ سلطان پوری دہلی (انڈیا)

پتے ♦ محمد وزیر صاحب ناگلوئی مبارک پور نئی دہلی (انڈیا)

KHANQUAH ASHRAFIA MAKTABA RAHMAT E ALAM (india)

Phone:7654132008

Mobi:7631355267

Email:Abdullah1994@gmail.com

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تأثرات

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی چرتھاولی
بانی ومہتمم دار العلوم محمدیہ بنگلور وخلیفہ ومجاز حضرت حاذق الامتؒ

تنقید عربی زبان کا لفظ ہے جس کا بابِ تفعیل سے تعلق ہے، تنقید کا مادہ ''نقد'' ہے جس کا معنی ''کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنا'' ہے۔ یہ ایسی اصطلاح ہے جو کسی بھی شخص چیز یا صنف کے منفی ومثبت پہلو کو اجاگر کرے۔ دورِ حاضر میں ''تنقید'' کو صرف خامیاں بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو کہ صد فی صد درست نہیں۔ تنقید برائے اصلاح جائز بھی ہے اور ضروری بھی، اس لئے کہ اگر اخلاقی خرابیوں کی نشاندہی نہ کی جائے تو ایک ایسا معاشرہ جنم لے لیتا ہے جو دیمک بن کر تہذیب وتمدن اور معیشت ومعاشرت کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

زیر نظر کتاب ''تنقید بری عادت'' نوجوان عالم دین ومفسر قرآں حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی نے تالیف فرمائی ہے جس میں فی زمانہ تنقید برائے عیب جوئی وعیب گوئی پر تنقید کی گئی ہے اور ''تنقید'' کی حقیقی تعریف کرتے ہوئے جائز وناجائز تنقید کی تفاصیل درج فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو دیگر کتب کی طرح شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور دونوں جہانوں میں کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین!

والسلام

خاکروب آستانہ حضرت حاذق الامتؒ

محمد ادریس حبان رحیمی

خانقاہِ رحیمی دار العلوم محمدیہ بنگلور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین الاولین والآخرین سیدنا ونبینا محمد ﷺ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد:

زندگی کے شب وروز میں ہمارے اخلاقی مسائل ومعاملات اور مجالس ومعاشرت میں تنقید ونکتہ چینی کا مرض بہت عام ہو چکا ہے، اور تمام طبقات انسانی میں یہ اخلاقی روگ کینسر کی طرح جسم وروح اور دماغ ونفوس سبھی کو متاثر کر رہا ہے اور یہ سب نتیجۂ بدہماری بد دینی اور بے تمدنی کا ہے، ہر کام اور ہر گام ہماری تنقیدات میں الجھا ہوا ہے بڑا اور چھوٹا ہر مرتبہ کا انسان ایک دوسرے پر تنقید کے نشتر کو بڑی عجلت وسرعت کے ساتھ انجام دے رہا ہے، زندگی کا خواہ کوئی بھی شعبہ ہو دین کا ہو یا دنیا کا، مساجد کا ہو یا مدارس کا، اسلامی تحریکات کا ہو یا انسانی حقوق کی کمیٹیوں اور دفتروں کا ہر ہر سطح پر تنقید کا یہ ناسور اپنی زہریلی فضاء سے ماحول کو غیر مامون ومحفوظ اور ناخوشگوار بناتا جا رہا ہے ،انسان کسی بھی شخص کے عمل وکردار پر آخر کیوں تنقید کرنے پر خود کو مجبور کرتا ہے، اس کی جڑ کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے، جب ہم اس کی تہہ میں جاتے ہیں تو ہم پر یہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ تنقید کی یہ بری حرکت خود ہمارے اپنے اعمال سیاہ کا شاخسانہ ہوتی ہے چونکہ ہم نے اپنے عیوب پر کبھی نگاہ صحیح واصلاح نہیں ڈالی ،اسلئے ہمارے اندر جہاں اور بہت سے اخلاق رذیلہ نے جنم لے لئے تنقید بیجا کی رکیک خصلت سیئہ بھی پیدا ہو گئی، جب بندہ کا دل خوف الٰہی سے خالی ہوتا ہے تب ہی تنقید کی گستاخی کا عمل اس سے صادر ہوتا ہے ،اور خوف الٰہی سے اسی کا دل خالی رہتا ہے، جس کے نفس کا آقا شیطان بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تنقید کے دلدل میں گرا ہوا آدمی ہمیشہ عمل سے محروم

رہتا ہے، خواہ کوئی ہو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اس فسادی جرم کی پاداش میں عمل سے محروم کر دیتے ہیں جس کا تجربہ دنیا نے ہمیشہ کیا ہے، اور کر رہی ہے۔

تنقید کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے نفرت پھیلتی ہے اور نفرت سے فساد شروع ہو جاتا ہے پھر آپسی محبت کی دولت سے ہم کوسوں دور ہو جاتے ہیں، اسلئے دوسرے پر تنقید کرنے کے بجائے خود پر تنقید کرنے کی خو پیدا کی جائے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق و باطل کے درمیان امتیاز کی دولت سے سرفراز فرمادے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے پیر دانا شہاب الدین سہروردی نے دریا کے ایک سفر میں جب ہم کشتی پر بیٹھے تھے مجھے نصیحت کے دو موتی عنایت کئے ؎

یکے آں کہ برخویش خود بیں مباش
دیگر آں کہ بر غیر بد بیں مباش

ایک یہ کہ اپنی خوبی پر نگاہ نہ رکھنا، دوسرے یہ کہ غیر کے عیب پر نگاہ نہ رکھنا۔

شیخ کا منشا یہ ہے کہ اپنی خوبی پر نگاہ رکھنے کی صورت میں تمہارے اندر عجب اور اُمّ المعاصی تکبر کا مرض پیدا ہوگا، جب کہ اپنے عیوب پر نگاہ رکھنے سے ان کی اصلاح ہوگی۔ اور دوسرے کے عیوب پر انگلی اٹھانے سے بچنے کو اس لئے کہا گیا کہ اس سے تم خدا کے یہاں گنہگار ہو جاؤ گے اور طرح طرح کے مفاسد و عیوب تمہارے اندر پیدا ہو جائیں گے تم اس سے متنفر ہو گے اور وہ تم سے بیزار و متنفر ہوگا اور تمہارے درمیان شرور و فتن کی آگ لگتی چلی جائے گی، اور اس کی خوبی پر نگاہ رکھنے سے گناہ سے بچ بھی جاؤ گے، اور اس سے حسن ظن بھی قائم رہے گا۔

لغت میں تنقید کہتے ہیں کسی شخص یا چیز کو پرکھنا۔ اور معنوی تعریف یہ ہے کہ اس کے صحت و سقم کے بارے میں رائے قائم کرنا یا کوئی فیصلہ صادر کرنا۔ پھر تنقید کی دو

قسمیں ہیں ایک تنقید اصلاحی اور دوسری غیر اصلاحی۔

اصلاحی تنقید کا مستحق وہی شخص ہے جو اصلاح یافتہ ہو، اور اصلاح ہوتی ہے کسی اہل اللہ کی صحبت اور تربیت سے، اور جو شخص بدون تربیت و اصلاح کے کسی پر تنقید کرتا ہے تو وہ تنقید تنقید محض ہوتی ہے، اور تنقید محض میں تکبر کا عنصر بھی ہوتا ہے، بغض بھی ہوتا ہے، اور حسد کی گندگی بھی ہوتی ہے، بیجا غصہ بھی ہوتا ہے اور بعض دفعہ اس میں مرض جاہ کا بھی اثر ہوتا ہے جو مستقل روحانی مرض اور بحوالہ حدیث مذموم ہے ۔الغرض اصلاح کی صفت سے عاری ہونے کی صورت میں عام طور پر تنقید تکبر و بغض اور انتقامی جزبات سے ناشی ہوتی ہے، یہی تنقید گھروں میں فساد و نفرت اور انتشار و بداخلاقی کا ماحول گرم کرتی ہے، پھر تنقید کی یہ ناپاک عادت باہر بھی فساد و انارکی اور بدنظمی کے مظاہر کی صورت میں سامنے آتی ہے اور جب انسان اس بُری عادت کا عادی ہوجاتا ہے تو پھر اس کے دل و دماغ سے حق و باطل کی تمیز اٹھ جاتی ہے ، ہر انسان اور ہر مخلوق پر تنقید کرنے لگتا ہے، نیک افراد، انبیاء، صحابہ، علماء و صلحاء اور تمام بزرگان دین پر تنقید کرنے کی جرأت ہوجاتی ہے۔اور نیک لوگوں پر تنقید وبال سے خالی نہیں۔انسان کو آخرت سے پہلے دنیا کی نقد سزا مل کر رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو لوگوں پر اور خصوصاً اہل اللہ پر تنقید کی بلاء سے محفوظ رکھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِ کُمْ۔ برکت تو تمہیں اپنے بزرگوں کی صحبت و معیت ہی سے نصیب ہوگی۔

دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام ان کے متبعین صحابہ کرام ائمہ و اولیاء کرام اور جملہ سلف صالحین سارے حضرات اس وباء اور لعنت سے سو فیصد پاک تھے، ہمیں بھی چاہیئے کہ انہی صالح و برگزیدہ ہستیوں کے نقش قدم پر خود کو ڈالیں، قرآن پاک اور احادیث و اقوال سلف سے اسی

کی تعلیم ملتی ہے اور خیر و برکت والی زندگی کا انحصار بھی اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تنقید کے خارزاروں سے نجات عطا فرما کر شاہراہ صراط مستقیم پر گامزن فرمائے،۔

تنقید کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بندوں پر تنقید کرنے والا ہمیشہ عمل صالح اور قرب الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

عیب جوئی تبصرہ تنقید خلق
ہست شیوہ جملہ محروماں زحق

جو شخص دوسروں کی بُرائی بیان کرتا ہے اور دوسروں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کا عادی ہو تو سمجھ لو کہ یہ عادت انہیں لوگوں کی ہوتی ہے جو خداوند تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوتے ہیں پیر رومیؒ کا ارشاد ہے ؎

دوست را کے فرصتے از یاد دوست
خلق را ہم دوست دارد بہر دوست

دوست کو کب فرصت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست محبوب حقیقی کی یاد سے فرصت پا کر ان گندی باتوں میں وقت ضائع کرے اللہ تعالیٰ کے اولیاء تو مخلوق خدا سے بھی دوستی اور محبت رکھتے ہیں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تنقیدی نظریہ رکھنے والا شخص خواہ وہ کسی بھی ماحول اور کسی بھی جگہ پر ہو درحقیقت شر کا دوازہ کھولتا ہے اور جہاں شر کا دروازہ کھل گیا وہاں شیطان کا عمل دخل شروع ہو گیا پھر خیر کا حصول وتصور مشکل وموہوم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری قوم کو تنقید کے فتنوں سے نجات عطا فرمائے۔ تاکہ آپس میں محبت و بھائی چارہ اور امن وسکون کا ماحول قائم ہو۔

قارئین کرام اس کتاب میں قرآن وسنت اکابر واسلاف کے زریں ہدایات کی

روشنی میں ردتنقید پر جا بجا اصلاحی مضامین پڑھ کر اپنے اپنے تئیں خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ہم کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے ، اور کتاب ہذا کو قبول فرما کر راقم کیلئے ذریعۂ مغفرت ونجات بنائے (آمین)

علاء الدین قاسمی

خانقاہِ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

۱۴ جمادی الآخر بروز جمعرات سنہ ۱۴۴۰ھ

خدا کے بیان فرمودہ طریقہ پر تنقید کرنا چاہئے

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (الخ)

قرآن نے اس جگہ تقلید آبائی کے خوگر لوگوں کی غلطی کو واضح فرمایا اور اس کے ساتھ ہی کسی دوسرے پر تنقید اور اس کی غلطی ظاہر کرنے کا ایک خاص مؤثر طریقہ بھی بتلا دیا جس سے مخاطب کی دل آزاری یا اس کو اشتعال نہ ہو، کیونکہ دین آبائی کی تقلید کرنے والوں کے جواب میں یوں نہیں فرمایا کہ تمہارے باپ دادا جاہل یا گمراہ ہیں بلکہ ایک سوالیہ عنوان بنا کر ارشاد فرمایا کہ کیا تمہارے باپ دادا کی پیروی اس حالت میں بھی کوئی معقول بات ہوسکتی ہے جب کہ باپ دادا نہ علم رکھتے ہوں نہ عمل۔ (معارف القرآن سورۂ کہف ۵/۵۲۰، بنی اسرائیل)

علمی تنقید کی اجازت ہے مگر طعن و تشنیع ممنوع ہے

وَطَعَنُوْا فِي دِيْنِكُمْ (سورۂ توبہ پ:۱۰) کے لفظ سے بعض حضرات نے اس پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کے دین پر طعن و تشنیع کرنا عہد شکنی میں داخل ہے۔ جو شخص اسلام اور شریعت اسلام پر طعنہ زنی کرے اس سے مسلمانوں کا معاہدہ نہیں رہ سکتا۔

مگر باتفاق فقہاء اس سے مراد وہ طعن و تشنیع ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی اہانت اور تحقیر کے طور پر اعلاناً کی جائے۔ احکام و مسائل کی تحقیق میں کوئی علمی تنقید کرنا اس سے مستثنٰی ہے اور لغت میں اس کو طعن و تشنیع کہتے بھی نہیں۔ اس لیے دارالاسلام کے غیر مسلم باشندوں کو علمی تنقید کی تو اجازت دی جاسکتی ہے مگر اسلام پر طعنہ زنی اور تحقیر و توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (معارف القرآن سورۂ توبہ ۴/۳۲۴)

شیخ سے فقہی اختلاف

حضرت مفتی شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بعض مسائل میں اپنے شیخ و مربی حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے فقہی اختلاف فرمایا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ شیخ سے فقہی اختلاف اپنے نفس کی اصلاح میں مانع نہیں اور شیخ کو بھی مرید کے فقہی اختلاف سے اظہار ناراضگی یا انقباض نہ ہونا چاہئے، بلکہ شیخ کی اپنی غلطی ہوتو اس سے رجوع ہوجانا چاہئے جیسا کہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کا طرز عمل تھا، جس کی تفصیل جواہر الفقہ میں موجود ہے)۔

حضرت علّامہ تقی عثمانی ادام اللہ فیوضہم فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کا مذاق یہ تھا کہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہنے کے باوجود طعن و تشنیع اور دل آزار اسلوبِ بیان سے مکمل پرہیز کیا جائے۔ (البلاغ ص:۴۶۸)

بڑوں سے اختلاف رائے کا باادب طریقہ

ایسے مواقع پر حضرت والد صاحب کا عام معمول یہ تھا کہ جن صاحب سے اختلاف رائے ہوا ہے نہ صرف یہ کہ ان کے ادب واحترام میں کوئی ادنیٰ فرق نہ آنے دیتے بلکہ ان کے کلام کا کوئی صحیح محمل تلاش کرکے لکھ دیتے۔

مثلاً اوزان شرعیہ میں رائج الوقت اوزان کے لحاظ سے ''درہم'' کی مقدار مقرر کرنے میں آپ نے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی جیسے بڑے محقق عالم سے اختلاف فرمایا لیکن اس کے لیے صرف اپنے دلائل اور حضرت مولانا کے دلائل کی

تردید پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جستجو کر کے وہ وجہ بھی بیان فرمادی، جس سے حضرت مولانا کا عذر واضح ہوجاتا ہے۔ (البلاغ ص:۴۹۶)

کسی رسالہ یا فرقہ کی تردید کرتے وقت انصاف واحتیاط کا خیال رکھیں

حضرت علّامہ تقی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: دوسرے نظریات کی تردید میں حضرت والد صاحبؒ کا ایک اصول یہ تھا کہ جس شخص یا گروہ پر تنقید کی جارہی ہے، پہلے اس کے نظریات و افکار اور اس کے منشا و مراد کی اچھی طرح تحقیق کرلی جائے، اور اس کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو اس نے نہیں کہی، یا جو اس کی عبارتوں کے منشاومراد کے خلاف ہو۔

آج کل بحث ومباحثہ ومناظروں کی گرم بازاری میں احتیاط وتثبت کے اس پہلو کی رعایت بہت کم کی جاتی ہے۔ اور دوسرے کی تردید کے جوش میں اس کی غلطی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس طرح بعض ایسی باتیں مخالف کی طرف منسوب کردی جاتی ہیں جو اس نے نہیں کہی ہوتیں۔

یہ طرزِعمل اول تو انصاف کے خلاف ہے دوسرے اس سے تردید کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا، بسا اوقات اس کے نتیجہ میں بحث ومباحثہ کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو افتراق وانتشار پر منتج ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت والد صاحب قدس سرہ نے احقر کو اس زریں اصول کی تلقین فرمائی تھی کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول وفعل میں محتاط ہونا چاہئے لیکن خاص طور پر

جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو، جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لیے کافی مواد موجود نہ ہو۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ کی اس نصیحت نے احقر کو جس قدر فائدہ پہنچایا اور اس کے جن بہتر ثمرات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا، انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

خود حضرت والد صاحب کی تحریروں میں احتیاط کا یہ پہلو جس قدر نمایاں ہے اور اس کے پیش نظر آپ کی عبارت میں جو قیود و شرائط ملتی ہیں ان کی مثالیں دینا چاہوں تو ایک پورا مقالہ اس کے لیے چاہئے لیکن ایک واضح مثال پر اکتفاء کرتا ہوں۔

خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ مشرقی صاحب نے ایک زمانہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا ان کے عقائد و نظریات جمہور امت سے بہت سے معاملات میں مختلف تھے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایماء پر حضرت والد صاحب نے ان کے نظریات کی تردید میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جو مشرقی اور اسلام کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ تو مختصر سا ہے لیکن حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس کی ترتیب میں بڑی محنت اٹھائی، اول تو مشرقی صاحب کی تمام تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کیا پھر ان کے جن مقامات پر جمہور امت سے ناقابل برداشت انحراف نظر آیا ان کو قلم بند کیا اور پھر مزید احتیاط یہ کی کہ ان کی عبارتوں کو جمع کر کے مشرقی صاحب کے پاس بھیجا کہ ان عبارتوں سے آپ کی مراد وہی ہے جو ان

سے ظاہر ہوتی ہے یا آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں، ان کی طرف سے کوئی واضح جواب نہ آیا تو انھیں دوبارہ خط لکھا اور یہ خط و کتابت کافی عرصہ تک جاری رہی، یہاں تک کہ اس خط و کتابت کے نتیجہ میں یقین ہو گیا کہ مراد وہی ہے جو ان کی عبارتوں سے ظاہر ہے تو پھر اس پر تردید تحریر فرمائی، یہ رسالہ جواہر الفقہ میں شامل ہے۔ (البلاغ ص: ۴۷۰)

شیخ کی تنقید سے نہیں تقلید سے کام بنتا ہے

حضرت قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شیخ پر نکیر اور اعتراض نہیں کرنا چاہئے، اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے، ایسا شخص ہمیشہ محروم رہتا ہے جو کچھ حاصل ہوتا ہے تنقید سے نہیں بلکہ تقلید سے حاصل ہوتا ہے، اور تقلید ہی سے کام بنتا ہے، اس کے بغیر ترقی نہیں ہوتی، البتہ کسی مسئلہ کو تحقیق کرنا اور اطمینان کے لئے سمجھنا یہ دوسری بات ہے لیکن تنقید اور اعتراض مضر چیز ہے۔ (مجالس صدیق جلد 1)

کیا طلباء کو ذکر اجتماعی سختی سے کرانا چاہئے

وہ مہمان صاحب فرماتے تھے کہ یہ ذکر وغیرہ اس طرح اجتماع و اہتمام کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا، اگر کوئی لڑکا اٹھ جائے تو اس پر نکیر کی جاتی ہے، سختی سے ذکر کرایا جاتا ہے، کسی امر مندوب پر اگر اصرار کیا جائے تو وہ بدعت بن جاتا ہے، احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ اگر امر مندوب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو بے شک بدعت ہو جاتا ہے، لیکن جب اس کو اس کے درجہ سے آگے نہ بڑھایا جائے بلکہ مستحب سمجھتے ہوئے عادت ڈلوانے کے لئے، تعلیم و تربیت کے طور پر اگر سختی بھی

کی جائے اور طلبہ کو اس کا پابند بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، دیکھئے چھوٹے سات سالہ بچے سے نماز پڑھوانے کا حکم حدیث پاک میں آیا ہے اور نو دس سال میں تو مار کر نماز پڑھوانے کا حکم ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اس عمر میں ابھی اس پر نماز فرض نہیں بلکہ نفل اور مندوب ہے لیکن صرف عادت ڈلوانے کے لئے اس سے نماز پڑھوائی جاتی ہے، سختی بھی کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ امر مندوب پر بھی مندوب سمجھتے ہوئے اور اس کو اس کے درجہ پر رکھتے ہوئے عادت ڈلوانے کے لئے نکیر کرنا اور سختی کرنا جائز ہے، اس پر وہ عالم صاحب خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔ (مجالس صدیق)

بڑوں کے کلام میں اگر چوک نظر آئے تو کوئی بہتر تاویل کر لیجئے

حضرت والا مختصر المعانی (جو فن بلاغت کی مشہور کتاب ہے) کا سبق پڑھا رہے تھے، صاحب کتاب نے کسی مقام پر مثال دی ہے ''حفظت التوراۃ'' تم نے تورات کو حفظ کر لیا، حضرت نے فرمایا معلوم نہیں یہ مثال کیوں دی، تورات کا ذکر کیوں کیا حفظت القرآن کہہ دیتے، حفظت البخاری وغیرہ کہہ دیتے یہ زیادہ بہتر تھا۔

اسی ضمن میں فرمایا چوک تو ہر ایک سے ہوتی ہے، بڑوں سے بھی ہوتی ہے، لیکن بڑوں کی غلطی میں حتی الامکان تاویل کر لینا چاہئے، حفظت التوراۃ، گویا تعجب کے لئے مثال کے طور پر کہا، کیونکہ قرآن پاک کا حفظ کر لینا تعجب کی بات نہیں عام طور سے لوگ یاد کر لیتے ہیں توراۃ کے حافظ نہیں ہوتے اس کو یاد کر لینا

واقعی تعجب کی بات ہے، یہ تاویل ہوسکتی ہے، الغرض بڑوں کے قول میں جہاں تک ہوسکے تاویل ہی کرنا چاہیئے۔ (مجالس صدیق)

صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مسلکِ دیوبند

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کمال زہد وتقویٰ اور کمالِ فراست وبصیرت کی وجہ سے جذباتِ معصیت مضمحل اور دواعیٔ طاعت مشتعل تھے۔ معصیت سے وہ ہمہ وقت بیگانہ تھے اور طاعتِ حق میں یگانہ۔ ایمان وتقوی ان کے قلوب میں مزیّن اور کفر وفسوق ان کے باطن میں مبغوض تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارہ میں قابل تنقید وتبصرہ نہیں سمجھتے، کہ بعد والے انہیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنالیں بلکہ آپ کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتہ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید وتبصرہ کے فعل سے اُمّت مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حقدار سمجھتے بلکہ ان کی پاکدامنی اور تقوی قلب کے منصوص ہوجانے کے دین کے معاملات میں ان کی لغزش تا بحدِّ خطارہ جاتی ہے۔ معصیۃ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء وصواب کا تقابل ہے، حق و باطل و معصیّت کا نہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کے باہمی معاملات میں (جو کہ نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) حسبِ مسلکِ علماء دیوبند نہ

بدگمانی جائز ہے اور نہ بدزبانی۔ یہ توجیہہ کا مقام ہے نہ کہ تنقید کا۔ تِلْكَ دِمَآءٌ طَهَّرَاللهُ عَنْهَا اَيدِيناَفَلَا نُلَوِثُ بِهَا اَلسِنَتِنَا۔ (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی طبقہ بحیثیت طبقہ کے مقدس نہیں کہ پورے طبقہ کو پاک باطن اور بلا استثناء عدول کہا جائے لیکن پھر بھی اس اُمت مرحومہ کا کوئی قرن اور کوئی دور مصلحوں، ہادیوں، مجددوں اور مقدسین سے خالی نہیں رہا۔ اور ائمہ ہدایت، ائمہ علوم اور ائمہ کمالاتِ ظاہر و باطن کی کمی نہیں رہی۔ علماء دیوبند کے مسلک میں ان تمام افراد کی عظمت وجلالت یکساں ہے خواہ وہ مجتہد مطلق ائمہ ہوں یا مجتہد فی المذہب، راسخین فی العلم ہوں یا ائمہ فنون، محدثین ہوں یا فقہاء، عرفاء ہوں یا حکماء اسلام سب کی قدر ومنزلت انکے یہاں ضروری ہے۔ کیونکہ ان وارثانِ نبّوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی طبقہ نسبتِ ایمان واسلام کا محافظ رہا اور کوئی نسبتِ احسان وعرفان کا۔ بالفاظِ دیگر ایک علماء ظواہر کا رہا اور ایک علماء بواطن کا۔ اور یہ دونوں طبقے تا قیامِ قیامت اپنے طبعی فرق وتفاوت کیساتھ باقی رہینگے۔ اسلئے حسب مسلکِ علماء دیوبند اعتقاد واستفادہ کی یہ اعتدالی صورت بھی ان سب طبقات مابعد کے ساتھ قائم رہیگی۔ فرق اتنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پورے طبقہ کے ساتھ یہ عظمت یکسانی سے قائم تھی کہ وہ سب کے سب عدول اور متقن مانے ہوئے تھے۔ لیکن بعد والوں میں متقن بھی ہیں اور غیر متقن بھی، اسلئے طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں تو موافقت کے سوا کسی مخالفت کا سوال ہی

نہ تھا لیکن طبقات ما بعد میں چونکہ وہ قرنِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خیریتِ مطلقہ اور خیریّتِ عامہ قائم نہیں رہی، گو جنسِ خیر منقطع بھی نہیں لیکن اسلئے ان میں عدول وغیر عدول دونوں قسم کے افراد ہوتے رہے اس لئے موافقت کے ساتھ مخالفت اور اتفاق کے ساتھ اختلاف کا پہلو بھی قائم رہا۔ مگر علماء دیو بند نے اس موافقت ومخالفت اور اتفاق واختلاف کے دونوں ہی پہلوؤں میں رشتہ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا نہ موافقت میں غلو کیا نہ مخالفت میں۔ نہ کسی کو بے وجہ سامنے رکھ کر اس کے مقابلہ میں کوئی مستقل محاذ بنایا اور نہ بے وجہ کسی کو گروہی یا فرقہ واری انداز سے اپنا کر اس کی مدح وثنا ہی کو مستقل موضوع قرار دیا، شخصیتوں کی عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطاء کو خطاء۔ اور پھر خطاء کا وہ علمی عذر بھی پیش نظر رکھا جو ایک اچھی اور مقدّس شخصیّت کی خطا میں پنہاں ہوتا ہے۔ نیز اس خطاء پر اسکی ساری زندگی کو خاطئانہ قرار دینے کی غلطی نہیں کی۔ البتہ اگر یہ اعتذار ان کی زندگی سے مفہوم نہ ہو سکا تو خطاء کو اچھالنے یا شخصیت کو مطعون کرنے کی بجائے اس خطاء کی حد تک معاملہ خدا کے سپرد کر کے ذہنی یکسوئی پیدا کر لی۔ اسے خوامخواہ ہدف بنا کر شخصیّتوں کو مجروح ومطعون کرنے کی کوشش نہیں کی، جیسا کہ ارباب غلو اور اصحابِ علو یا اہلِ خلو کا طریقہ رہا ہے۔ بالخصوص اس دورِ فتن میں جس کا خاص امتیازی نشان ہی علم وفہم اور حلم کی بجائے غلو کا غلبہ ہے جو حدود شکنی ہے یا علو کا زور ہے جو کبر ونخوت ہے اور یا خلو کا دباؤ ہے جو جہالت کا استیلا ہے اور یہ تینوں ظلم وجہل کے شعبے ہیں علم وعدل کے نہیں۔ اور علماء دیو بند کے مسلک کی بنیاد علم وعدل پر ہے، ظلم وجہل پر نہیں۔

اس لئے اس میں نہ غلو ہے اور علو ہے اور نہ خلو۔ چنانچہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ ذاتِ بابرکات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ذواتِ قدسیہ صحابہ کرام کے بارہ میں اس کا مسلک عدل واعتدال سے پُر اور رعایتِ حدود پر مبنی ہے۔ غلو اور علو پر مبنی نہیں۔ (مسلک علماء دیوبند)

ہمارے علماء کے یہاں اولیاء کرام پر نکیر وملامت ہر گز نہیں خواہ کسی سلسلے کے ہوں

چنانچہ اس کی یہی صورت عدل واحتیاط اولیاء اللہ کے بارہ میں بھی ہے فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں اگر امت غلو کر کے حدود شکنی کرسکتی ہے تو وہ صرف محبت کا غلو ہوسکتا ہے کیونکہ کفار کو چھوڑ کر امت کے کسی طبقہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت یا معاذ اللہ محبّت سے ہٹ کر عداوت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا، کہ غلو مخالفت کا کوئی واہمہ بھی پیدا ہو۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں تمام اہلسنت والجماعت کے عداوتِ صحابہ یا مخالفت صحابہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ غلوِ عداوت یا غلوِ مخالفت کا احتمال ہو۔ البتہ اولیاء کرام میں طبقہ واری تفاوت ممکن ہے کہ ایک طبقہ اپنے مشائخ سے وابستہ ہو کر دوسرے طبقہ کے مشائخ سے بے تعلق اور لاعلم ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وابستگان میں تو بوجہ وحدت مذاق اور رجحانِ محبت غلو فی المحبت کا احتمال ہوتا ہے اور غیر مربوط بے تعلق افراد میں اختلاف مذاق یا بے تعلقی کیوجہ سے ناقدری، مخالفت اور غلو فی المخالفت کا احتمال ہوسکتا ہے اور اسطرح یہ

دونوں طبقے حدود سے باہر ہو سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے انتہائی مدح سرائی اور دوسری طرف سے انتہائی ہجو گوئی کے مظاہرے تک ہونے لگیں۔ جیسا کہ آجکل کے دورِ جہل و غباوت میں یہ بَلا ہر طرف پھیلی ہوئی ہے لیکن جہاں تک علماء دیوبند کے مسلک کا تعلق ہے وہ اولیاء کرام کے ساتھ غلوئے محبت و مخالفت سے کوسوں دور ہے اس کے نزدیک جس درجہ اپنے مشائخ محبوب القلوب ہیں اسی درجہ دوسرے مشائخ بھی باعظمت و باوقعت ہیں اور اگر اتباع مشائخ میں کوئی بات طریق سنت سے کچھ ہٹی ہوئی بھی دکھائی دیتی ہو مگر خود مشائخ بحیثیت مجموعی اصل طریق پر قائم ہیں تو علماء دیوبند کے مسلک میں ان پر نکیر و ملامت نہ ہوگی اور متبعین کے ان منکرات سے انہیں مطعون نہیں کیا جائے گا۔

حاصل یہ کہ اولیاء کرام، صوفیاء عظام کا طبقہ مسلکِ علماء دیوبند کی رُو سے اُمت کے لئے روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اس امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصلِ حیات ہے اس لئے علماء دیوبند ان کی محبت و عقیدت کو ایمان کے تحفظ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کے ساتھ اس محبت و عقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے۔ ان کی تعظیم شرعاً ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع اور طواف و نذر یا منت یا قربانی کا محل بنا لیا جائے وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اور فیض حاصل کرنے کے قائل ہیں لیکن انہیں مشکل کشا، حاجت روا، دافع البلاء والوبا نہیں سمجھتے کہ وہ صرف شانِ کبریائی ہے۔ وہ اہلِ قبول سے حصول فیض کے قائل ہیں

استمداد کے نہیں۔ وہ حاضری قبور کے قائل ہیں مگر ان کے عیدگاہ بنانے کے قائل نہیں۔ وہ مجالسِ اہل دل میں شروطِ فقیہہ کے ساتھ نفسِ سماع کے منکر نہیں مگر گانے بجانے کے کسی درجہ میں بھی قائل نہیں۔ البتہ نسبتِ نبوّت اوراور اتباع سنت کے غلبہ کیوجہ سے سماع سے الگ رہنا قابل ملامت نہیں بلکہ قابلِ مدح ہے۔ مشائخ دیو بند کا عمومی معمول بھی اس بارہ میں یہی ہے۔ بہرحال وہ روحانیت کے ابھارنے کے قائل ہیں، نفسیات کے بھڑکانے کے قائل نہیں۔ (مسلک علماء دیوبند)

تنقید کو کب قبول کرنا ضروری ہے

اگر ہم کوئی موضوع حدیث کو بیان کر رہے تھے، اور جاننے والا ہم کو غلطی پر مطلع کر رہا ہے تو ہمارا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ اس کی بات کی طرف توجہ دے، پھر اگر اس کی تنقید میں صحت وسچائی کے آثار دکھے، اور بتانے والا اس کی صحیح دلیل بھی دیتا ہو یا معتبر حوالہ دیتا ہو تو اس کو تسلیم کر لینا چاہئے، قرآن ایسے لوگوں کی تعریف میں کہتا ہے:

{الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه} (الزمر ۱۸)

کانوں میں انگلیاں ڈال دینا یا دل پر پردہ ڈال دینا اور مصلح اور ناقد کی بات کی طرف توجہ نہ کرنا اپنا ہی نقصان ہے۔

اگر صحابہ کرام کی اتباع کو ہم اپنی قسمت سمجھتے ہیں اور ان کی ہر ادا کو لائق اتباع سمجھتے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ صحابۂ کرام کسی بھی شخص کی تنقید کا شکریہ کے ساتھ استقبال کرتے تھے، خلفائے راشدین کی سیرت میں کئی مثالیں ایسی مل جائیں گی

کہ انہیں کسی غلطی پر متنبہ کیا گیا اور انہوں نے قبول کیا حالانکہ بسا اوقات خلفاء کے عمل میں بھی جواز کا پہلو موجود ہوتا تھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ صفت بھی ان میں تھی کہ اپنے لئے اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی ان پر تنقید کرنے سے جی چرائے، وہ اس کو خود کے لئے ظالم اور دین سے دوری کی علامت سمجھتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند بند کردوں گا، مدرسہ مقصود نہیں رضائے الٰہی مقصود ہے

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھوک ہڑتال نہیں کی، جلوس نہیں نکالے، نعرہ بازی نہیں کی۔ صرف دو راستے ہیں: ایک صبر اور دوسرا جہاد، مقبولانِ بارگاہ کا راستہ مت چھوڑو اور شاہراہِ اولیا اللہ سے مت ہٹو۔ ہمیں ایسی حکومت نہیں چاہیے جس سے انبیاء علیہم السلام کی عزت کو بیچنا پڑے۔ رضائے الٰہی مقصود ہے کشور کشائی مقصود نہیں۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے خط لکھا کہ دیوبند قصبہ میں ایک بااثر شخص بڑا فتنہ گر ہے اور وہ ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ اسے دارالعلوم کی شوریٰ کا ممبر بنایا جائے۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہرگز ایسے شخص کو ممبر نہ بننے دوں گا، دارالعلوم دیوبند بند کردوں گا۔ رضائے الٰہی مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں۔ (سفرنامہ ڈھاکہ ورنگون)

اہل اللہ کے ساتھ رہنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے بارے میں حدیث ہے، جس کے آخر میں یہ جملہ ہے هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ کہ ان کے

پاس بیٹھنے والا شقی اور بد بخت نہیں ہوسکتا۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اِنَّ جَلِیْسَھُمْ یَنْدَرِجُ مَعَھُمْ ان کے پاس بیٹھنے والے اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان ہی میں شمار کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ والوں کے ساتھ جڑے رہو، جب دنیا میں تھرڈ کلاس کا ڈبہ فرسٹ کلاس کے ڈبے سے منسلک ہو جائے تو وہ رہتا تو تھرڈ کلاس ہی ہے، لیکن منزل پر پہنچ جاتا ہے، لیکن اللہ والوں کے ساتھ جڑنے والے تھرڈ کلاس انسان فرسٹ کلاس بنا دیے جاتے ہیں اور انہیں اعزازِ ولایت دے دیا جاتا ہے۔ پھر حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ شعر پڑھا؎

ان کا دامن اگرچہ دور سہی
ہاتھ تم بھی ذرا دراز کرو

اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ؎

گڑگڑا کر جو مانگتا ہے جام
ساقی دیتا ہے اسے مے گلفام

اس لیے اتنے روؤ کہ آنسو تمہیں اللہ تعالیٰ تک لے جائیں۔ جیسے کسی نوجوان شاعر نے کہا ہے؎

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہادے ادھر مجھے (سفرنامہ ڈھاکہ ورنگون)

اس لیے وہ جہاں گئے نور پھیل گیا۔ مثلاً حضرت عقبہ ابنِ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصر کے گورنر (عامل) بنائے گئے تھے، اب جب ان کو گورنر بنا کر بھیجا جاتا تو کیا وہ نہ جاتے؟ آپ کو اگر کمشنر بنا کر کہیں بھیجا جائے اور حکومت اسلامی ہو تو جانا پڑے گا۔ پس اسلامی ملک کا انتظام سنبھالنے کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا، لہٰذا تبلیغ کا جوش دِلانے کے لیے اس طرح بیان کرنا کہ سب صحابہ تبلیغ کے لیے مدینہ سے نکل گئے تھے اور مدینہ صحابہ سے خالی ہو گیا حقیقت کے خلاف ہے۔ ہزاروں صحابہ کی قبریں مدینہ شریف میں ہیں۔ جتنے صحابہ کی قبریں شام و مصر میں ہیں، یہ سب وہاں کے گورنر تھے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسماء الرجال کے تحت شیخ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ سَکَنَ بِالشَّامِ وَمَاتَ بِدَمِشْقَ شام کے گورنر تھے اور دمشق میں وفات پائی ہے۔ پس اس کو اس طرح نہ بیان کرو کہ وہ بستر لے کر تبلیغ کے چلّے میں گئے تھے۔

علماء پر تنقید نادانی و بدفہمی ہے اس سے ان کی وقعت کم ہوگی تو دین کی وقعت ختم ہو جائے گی

تبلیغی جماعت سے یاد آیا کہ بعض اوقات غیر عالم لوگ حدودِ شریعت سے واقف نہ ہونے کے سبب عوام میں تبلیغِ دین کی فضیلت پر اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ مثلاً بعض ساتھی تبلیغ کے لیے جاپان گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اذان دی، نماز پڑھی اور چٹنی روٹی کھا کر سو گئے، تو وہاں کے کافر کہنے لگے کہ ارے! ان کو تو بلا نشہ ہی نیند آ گئی جبکہ ہم ہیروئن کھا رہے ہیں، نشے کی گولیاں کھا رہے ہیں اور پھر بھی نیند نہیں آتی اور یہ مسلمان جو اللہ کے راستے میں نکلے ہیں ان کا مذہب تو بڑا اچھا ہے اور آٹھ دس

آدمی ان کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر یہ نادان مبلغ علماء پر تنقید کرنے لگتے ہیں کہ جو کام تبلیغ والے عوام کر رہے ہیں وہ علماء بھی نہیں کر رہے، یہ سخت نادانی و بدفہمی ہے۔ بات یہ ہے کہ اہلِ کفر تو اپنے کفر اور خدا سے دوری کی لعنت کے باعث پریشان ہیں، بے چین ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کر کے یہ لوگ چٹنی روٹی کھا کر سو گئے تو وہ اسی سے اسلام لے آتے ہیں۔

لہٰذا ان لوگوں کی تعریف اس حیثیت سے تو کرو کہ انہوں نے ایک مستحب عمل کیا، لیکن ان کو علماء پر فضیلت مت دو، کیوں کہ علماء بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، علومِ نبوت کی حفاظت اور نشر و اشاعت کر رہے ہیں جو فرض ہے اور اب تبلیغ میں جانا فرض نہیں ہے، البتہ ایک مستحب اور پیارا عمل ہے۔ پس جو لوگ علماء کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کل کافر قیامت کے دن علماء کے گریبان پکڑیں گے کہ تم لوگ اپنے مدرسوں میں پڑے رہے، ہمیں کفر کی تاریکی سے نہیں نکالا، تم نے ہمیں دوزخ میں کیوں جانے دیا؟ تو ایسے لوگ سخت نادان اور بے عقل ہیں۔ اس طرح کی باتوں کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عوام الناس کے دماغ میں علماء کی بے وقعتی آجاتی ہے۔ (از: حکیم اختر)

جو لوگ تبلیغ میں مشغول ہیں وہ مستحب میں مشغول ہیں فرض میں نہیں

حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اب میں مسئلہ بتاتا ہوں کہ بقول ان لوگوں کے اگر ان کافروں کو اسلام پہنچانا مستحب نہیں، فرض ہے

تو ہمارے جتنے بھی بزرگ گزرے ہیں، مثلاً شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب، امام ابوحنیفہ، امام بخاری رحمہم اللہ یہ امریکا اور جاپان نہیں گئے، تو یہ سب کے سب کیا ہیں؟ یہ سب کے سب تارکِ فرض ہوئے یا نہیں؟ اور تارکِ فرض ولی اللہ نہیں ہوسکتا، تو گویا بارہ سو برس تک کوئی ولی اللہ ہی نہیں ہوا، اسی لیے میں نے ایک بہت بڑے مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا کہ علماء کے متعلق اس طرح بیان کرنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے، چوں کہ اس کام میں اکثر علمائے محققین نہیں ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ آج اسلام اور ایمان سارے عالم میں پھیل گیا ہے، آج کوئی کافر ایسا نہیں جس کو یہ نہ معلوم ہو کہ اسلام کیا ہے، کوئی کافر ایسا نہیں جس کو معلوم نہ ہو کہ اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہیں اور اسلام کے علاوہ جو کسی اور دین کو اختیار کرے گا جہنم میں جائے گا۔

اس لیے میں نے چند باتیں عرض کر دیں، کیوں کہ تبلیغی جماعتوں میں دوست احباب کے ساتھ ہماری بھی کافی شرکتیں ہوئی ہیں تو میں نے یہ مرض محسوس کیا، لہٰذا میں نے مفتی رشید احمد صاحب سے بات کی کہ جو لوگ جاپان جا کر مسلمان بنا رہے ہیں، یہ لوگ زیادہ افضل ہیں یا علماء جو بخاری پڑھا رہے ہیں؟ تو مفتی صاحب ہنسے کہ جو لوگ تبلیغ کا مبارک کام کر رہے ہیں وہ مستحب میں مشغول ہیں فرض میں نہیں۔ ایک کافر بھی ایسا نہیں ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ اسلام کیا ہے، اذان کیا ہے، اور اب تو ریڈیو ٹیلی ویژن سے اذانوں کی آوازیں سارے عالم میں پہنچ چکی ہیں، اسلام کا پیغام سارے عالم

میں پہنچ چکا ہے، سب سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک مذہب ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اسلام کے علاوہ اب کوئی دین اللہ کے یہاں قبول نہیں، نجات کا ذریعہ صرف اسلام ہے، لہٰذا اب ان کافروں کے ذمے تحقیق ہے، لیکن جو ان کو دین کی دعوت دینے جاتے ہیں وہ بھی ثواب سے محروم نہیں رہیں گے، کیوں کہ وہ بخاری نہیں پڑھا سکتے تو یہی کام کرلیں اور ثواب حاصل کریں۔ ہم مدرسے میں مشغول ہیں تو ان حضرات کو جانے کا موقع دیا جائے کہ ہمارا مال جگہ جگہ پہنچاؤ، اس لیے ان کی قدر کرنی چاہیے، لہٰذا ہم اپنے دوستوں کو متوجہ بھی کرتے رہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کرو۔ (علم اور علماء کرام کی فضیلت)

کافروں کو مسلمان کرنا فرض نہیں ہے

تبلیغ کا کام مبارک ہے، مستحب ہے، پسندیدہ ہے، لیکن اب فرض کے درجے میں نہیں ہے، بلکہ کافروں کو مسلمان کرنا اسلام نے فرض نہیں کیا۔ اگر کافروں کو مسلمان کرنا فرض ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن علاقوں کو فتح فرماتے ان کو اس فرض پر مجبور کرتے، کیوں کہ فرض پر مجبور کیا جاتا ہے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی مجبور نہیں فرمایا، بلکہ حکم دیا کہ یا تو اسلام قبول کرو یا جزیہ دو۔ پس جو کفار جزیہ دینے پر راضی ہوجاتے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا، زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور جزیہ کا حکم اس لیے ہے کہ اسلام کی شوکت وعزت اور کفر کی ذلت وپستی ظاہر ہو۔ جزیہ لے کر ان کو اسلام پر مجبور نہ

کرنے کے کیا معنیٰ ہوئے؟ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ان کو مسلمان کرنا فرض نہیں ہے، اسلام کی اطلاع دینا فرض ہے اور وہ ہوچکی، اب اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو ہم تمہیں مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کرتے۔ اگر مسلمان بنانا فرض ہوتا تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے کہ میری رحمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ تمہارے چند پیسوں سے تمہارے کفر پر راضی ہوجاؤں، یعنی تمہارے دوزخ میں جانے پر راضی ہوجاؤں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کو مسلمان کرنا فرض نہیں ہے۔ یہ بہت بڑے مفتی صاحب کی تقریر عرض کررہا ہوں جو پاکستان میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں اور فقہ میں تخصص کرارہے ہیں، علماء کو فقیہ بنارہے ہیں۔

کافروں سے جزیہ کا مطالبہ ان کی ذلّت وپستی کا اظہار کرانا ہے نہ کہ اشاعت اسلام کیلئے ہے

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کفار کو خط لکھ رہے ہیں، مشکوٰۃ شریف میں یہ خط موجود ہے کہ اے لوگو! اِنِّیۡ اَدۡعُوۡ کُمۡ اِلَی الۡاِسۡلَامِ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اگر تم قبول کرتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تم مجھ کو جزیہ دو۔ اور تم جزیہ کیسے دو؟ عَنۡ یَّدٍ اپنے ہاتھوں سے دو تاکہ تمہاری ذلت قائم رہے، اگر تم کسی واسطے سے بھیجو گے تو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے، ہمیں تمہارے پیسے کی حاجت نہیں، بلکہ تمہارے کفر کی ذلت دِکھانا مقصود ہے، لہٰذا تم جزیہ خود آکر دو اور اگر نہیں مانتے تو ہم تم سے قتال کریں گے، اسلام نہ لانے سے نہیں، جزیہ نہ دینے سے قتال کریں گے وَاَنۡتُمۡ صَاغِرُوۡنَ اور تم ذلیل

ہو جاؤ جزیہ دے کر۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے ہو تو نَحْنُ نُحِبُّ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّوْنَ الْخَمْرَ ہم موت کو اتنا محبوب رکھتے ہیں جتنا تم شراب سے محبت کرتے ہو، پس تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پس اگر صحابہ جزیہ لے کر ان کو مسلمان نہیں بنا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ تم اسلام لاؤ یا نہ لاؤ، جزیہ دو، ورنہ ہم لوگ جزیہ نہ دینے پر تم سے قتال کریں گے۔ تو معلوم ہوا کہ جب وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے تو اسلام کو زبردستی ان کے گلے لگانا کہاں فرض رہا؟ اگر اسلام کو گلے لگانا فرض ہوتا تو چند پیسوں کے بدلے ان کے کافر رہنے پر کیا اسلام راضی ہو جاتا؟ تو معلوم ہوا کہ اسلام کو ان تک پہنچانا تو ضروری ہے، مگر ان کو مسلمان بنانا فرض نہیں ہے۔

کیا صحابہ کرام مکہ و مدینہ میں فوت نہیں ہوئے بلکہ سب کے سب تبلیغ کرنے دنیا میں پھیل گئے؟

ایک صاحب نے حضرت حکیم صاحبؒ سے اجازت لے کر سوال کیا کہ بعض تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ صحابہ مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ میں فوت نہیں ہوئے، وہ سب تبلیغ کرنے دنیا میں پھیل گئے تھے۔ تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ) بہت سے صحابہ کو انتظامِ ملکی کے لیے دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا تھا اور صحابہ کی شان تو یہ تھی کہ جہاں جاتے تھے دین پھیلاتے تھے (مصنف عبدالرزاق:5/216،(9423)،المکتب الاسلامی، بیروت، ذکرہ بتغییر)

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

اس لیے وہ جہاں گئے نور پھیل گیا۔ مثلاً حضرت عقبہ ابنِ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر کے گورنر (عامل) بنائے گئے تھے، اب جب ان کو گورنر بنا کر بھیجا جاتا تو کیا وہ نہ جاتے؟ آپ کو اگر کمشنر بنا کر کہیں بھیجا جائے اور حکومت اسلامی ہو تو جانا پڑے گا۔ پس اسلامی ملک کا انتظام سنبھالنے کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا، لہٰذا تبلیغ کا جوش دِلانے کے لیے اس طرح بیان کرنا کہ سب صحابہ تبلیغ کے لیے مدینہ سے نکل گئے تھے اور مدینہ صحابہ سے خالی ہو گیا حقیقت کے خلاف ہے۔ ہزاروں صحابہ کی قبریں مدینہ شریف میں ہیں۔ جتنے صحابہ کی قبریں شام و مصر میں ہیں، یہ سب وہاں کے گورنر تھے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسماء الرجال کے تحت شیخ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ سَکَنَ بِالشَّامِ وَمَاتَ بِدَمِشْق شام کے گورنر تھے اور دمشق میں وفات پائی ہے۔ پس اس کو اس طرح نہ بیان کرو کہ وہ بستر لے کر تبلیغ کے چلّے میں گئے تھے۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تک بتائی ہے، ان میں صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔ چار صحابہ کا ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر نام لیا ہے جن میں حضرت عبداللہ ابنِ عمر، حضرت عبداللہ ابنِ عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں، اس طرح کل آٹھ سو صحابہ اور تابعین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث پڑھتے تھے، وہ نہ بستر لے کر نکلتے تھے، نہ کہیں چلّے پر جاتے تھے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا کے شروع ہی میں یہ ساری

چیزیں موجود ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ ہزار تین سو چونسٹھ (۵۳۶۴) حدیثیں پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ ابنِ عمر، حضرت عبداللہ ابنِ عباس، حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے بڑے بڑے صحابہ شامل تھے، جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خبردار! تم لوگ مدینہ چھوڑ کر جا نہیں سکتے، تاکہ مجھے کوئی مشورہ کرنا ہو تو میں تم لوگوں سے مشورہ کروں۔ تو دین کا کام آپس میں مل جل کر کرو، دین کے ہر شعبے کو اہم سمجھو اور اپنا ہی کام سمجھو، اس طرح سے مت کرو کہ نفرت دلاؤ اور علماء کی بے وقعتی کرو۔ چند نادانوں کی باتوں سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے خدانخواستہ بستر لے کر نہ نکلنے اور چِلّہ نہ لگانے سے آدمی دوزخ میں چلا جائے گا۔ اس طرح غلو کرنا کیسے جائز ہوگا! کتنے جلیل القدر صحابہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی مدینہ سے نہیں نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اپنے دورِ حکومت میں سختی سے یہ پابندی عائد کی تھی کہ جو صحابہ علماء ہیں وہ ہرگز مدینہ سے باہر نہیں جائیں گے۔

علماء پر اعتراض و تنقید حرام ہے اس سے بچیے

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس تقریر سے شریعت کی حدود کا علم ہوگیا کہ کیا فرض ہے اور کیا نہیں؟ اس لیے ایسا عنوان اختیار کرنا جس سے

علماء کی بے وقعتی اور تحقیر ہوتی ہو حرام ہے۔ اگر آلو سبزی اور گوشت بیچنے والے تبلیغ میں جا کر علماء سے کہیں کہ بھئی! آپ جو علمِ دین پڑھ پڑھا رہے ہیں، یہ کچھ نہیں ہے، جا کر تبلیغ میں چلّہ لگاؤ اور اگر کسی عالم کے متعلق معلوم ہو گیا کہ اس نے چلّہ نہیں لگایا ہے، تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ارے میاں! یہ سب ایسے ہی حجروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے دین کا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اگرچہ سب تبلیغ والے ایسے نہیں ہیں، جو بزرگوں کے تربیت یافتہ ہیں وہ تو بہت معتدل ہیں، لیکن اکثریت نادانوں کی ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ جماعت میں کام کرنے والے کہیں حدودِ شریعت قائم نہ رکھ سکیں گے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جس وقت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب تھا، تو میں ان کی خدمت میں دہلی میں حاضر ہوا، تو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے دو سوال کیے: ایک یہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں استدراج میں تو مبتلا نہیں ہوں، کیوں کہ لوگ میری طرف جوق در جوق متوجہ ہو رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اگر استدراج ہوتا تو آپ کو خوفِ استدراج نہ ہوتا، آپ کا یہ خوفِ استدراج کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل تو نہیں ہے دلیل ہے کہ آپ استدراج میں مبتلا نہیں ہیں، کیوں کہ جن کو وہ استدراج میں مبتلا کرتے ہیں یعنی جن کو ڈھیل دیتے ہیں ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھے ڈھیل دی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (الاعراف:182)

توسَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ میں لَا يَعۡلَمُوۡنَ کی قید لگی ہے، کہ ہم اس حیثیت سے ڈھیل دیتے ہیں کہ اس کے لیے لاعلمی ضروری ہے۔ یہ بات میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالی، مفتی صاحب نے یہ بیان نہیں کیا یعنی اس کی دلیل ابھی اللہ تعالیٰ نے میرے بزرگوں کی برکت سے میرے قلب میں ڈالی کہ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ ہم جن کو استدراج اور ڈھیل دیتے ہیں، ناراضگی کے باوجود ان کو نعمتوں میں اتار دیتے ہیں تو مِنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ کی قید بھی ہے، یعنی ان کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ انہیں ڈھیل دی جارہی ہے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ چوں کہ علماء تبلیغ میں کم ہیں، لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ عوام حدودِ شریعت قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ مفتی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اس بات پر میں خاموش ہوگیا، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اس بات کا تو کوئی علاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں جہاں اَلۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ النَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ نازل کیا کہ بھلی بات بتاتے ہیں اور بُری بات سے روکتے ہیں، وہیں یہ بھی فرمایا وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ (التوبۃ:112)

اللہ کے دین کی حدود کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ اور قانون اور حدود کی حفاظت

وہ کرے گا جو حدود کو جانے گا اور حدود کو جاننے والے علماء ہیں۔ تو علماء سے استغنا اور ان کو اس بنا پر حقیر سمجھنا کہ وہ تبلیغ کرنے جاپان نہیں گئے، امریکا نہیں گئے اور یہ کہ وہ چھوٹے سے کنویں میں مینڈک کی طرح بیٹھے ہیں اور دین کی تبلیغ کے بین الاقوامی کام سے جڑے ہوئے نہیں ہیں، سخت بے ادبی ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن پتا چلے گا کہ علماء کی تحقیر کتنا بڑا جرم ہے۔ علماء کی اہانت کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفر لکھا ہے، یہ جرمِ عظیم ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ لَّمْ یُبَجِّلْ عَالِمِیْنَا فَلَیْسَ مِنَّا کہ جس نے میری امت کے عالم کا اکرام نہیں کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی رشتہ کٹ گیا تو ایسے شخص کا کیا حشر ہوگا؟

اہانتِ علم وعلماء کفر ہے

''بینات'' میں ایک مضمون شایع ہوا تھا کہ کوئٹہ میں اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں علمائے کرام کی تقاریر کے بعد ایک غیر عالم کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ مولوی لوگوں کی باتیں تو آپ نے سن لیں، اب عمل کی بات کرو۔ بولیں بھئی بولیں! چلّہ، سال کی جماعتوں کے لیے۔ حاملانِ وحی، جن کے سینوں میں قرآن و حدیث ہے، ان کے ساتھ اس طرح حقارت کا عنوان اختیار کرنا، علمائے کرام کے خلاف نفرت اور حقارت پیدا کرنا ہے، اس لیے حدودِ شریعت کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اہانتِ علم اور علماء کفر

ہے۔ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ اگر اہانت مِنۡ حَیۡثُ الۡعِلۡم ہو جیسے مثال کے طور پر یہ کہا گیا کہ اب مولانا لوگوں کی تقریر تو ہوگئی، بولو بھئی بولو، اب عمل کی بات کرو، تقریروں سے کام نہیں ہوتا، بولو بھئی کتنا چلّہ دو گے؟ گویا علماء کی تقریریں محض باتیں ہیں عمل سے خالی ہیں۔ اس قسم کا عنوان جس سے علماء کی اور قرآن وحدیث کی باتوں کی بے وقعتی ہوتی ہو اہانتِ علم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہانتِ علم اور اہانتِ اہلِ علم کفر ہے۔ لہٰذا اس طرح کا کوئی طرز اختیار مت کرو کہ گویا علماء کو گرفت میں لانا چاہتے ہو کہ مولوی لوگ جو مدرسوں میں پڑھا رہے ہیں وہ سب بے کار ہیں۔ علماء کی جوتیوں کی خاک کو اپنے سے افضل سمجھو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے:

مَنۡ لَّمۡ یُبَجِّلۡ عَالِمِیۡنَا فَلَیۡسَ مِنَّا

جو ہمارے علماء کا اِکرام نہیں کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علماء کے اِکرام کے لیے یہی حدیث کافی ہے۔

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو علمائے ربّانیین کی حقارت کرتا ہے اس کی قبر کو کھود کر دیکھو، اس کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ

اللہ تعالیٰ نے علماء کو بڑا درجہ دیا ہے، اس لیے کہتا ہوں کہ ان کی قدر کرو، لیکن جس کے قلب میں علماء کی عظمت نہ ہو تو مجھے صدمہ ہوتا ہے۔ پس عوام جب بستر لے کر

دین کے لیے جاتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے، ہم خود ترغیب دیتے ہیں اور ہم اجتماعات میں بھی بلائے جاتے ہیں، ہماری تقریریں بھی ہوتی ہیں، لیکن جب کہیں ایسی بات سنتا ہوں جس میں علماء، مشایخ اور بزرگانِ دین کی بے وقعتی ہو تو مجھ سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی، کیوں کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب محدثِ دہلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، عبداللہ ابن مبارک، امام ابوحنیفہ، امام احمد ابنِ حنبل، امام شافعی، خواجہ حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ یہ سب حضرات تو بستر لے کر نہیں نکلے، پھر اس قسم کی بات کرنا کہ جو چلّہ نہیں لگاتا اس کے جنت میں جانے کی گویا کوئی ضمانت نہیں یا ایسی تقریر کرنا جس سے علمائے کرام کی عوام کے دل میں وقعت کم ہو جائے حرام ہے۔

سنو فتویٰ اس فقیر کا کہ ایسا عنوان اختیار کرنا اور کسی عمل یا کسی نوع کی خدمت کی فضیلت اس طرح بیان کرنا جس سے علماء و مشایخ اور اہل اللہ کی عظمتوں میں کمی آجائے اور لوگ کہنے لگیں کہ ہمارے علماء و مشایخ تو کچھ نہیں کرتے، حجروں میں پڑے ہیں، مدرسوں میں پنکھوں کے نیچے بیٹھے ہیں، اس قسم کے بیانوں کے حرام ہونے کا فتویٰ احقر دیتا ہے، اس لیے کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (صحیح البخاری: 963/2 (6541) باب التواضع، المکتبۃ المظہریۃ)

جو میرے اولیاء کی حقارت اور ان کے ساتھ دشمنی کرے تو میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ کیا یہ معمولی دشمنی ہے کہ امت کو اہل اللہ سے، علماء سے بدظن کر دیا جائے اور صرف

چند چِلّے لگانے سے غیر علماء کو علماء کے برابر کر دیا جائے؟ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے دل کے مریضوں کو ہارٹ اسپیشلسٹوں کی بے وقعتی کر کے مرہم پٹی کرنے والوں کا معتقد بنایا جائے کہ جاؤ ٹانگ پر پٹی چڑھالو، وہ بے چارہ آیا تھا دل کا آپریشن کروانے کے لیے، معلوم ہوا کہ ہارٹ فیل ہو گیا اور پٹی بندھی کی بندھی رہ گئی۔

علماء کو اللہ نے خود عزت دی ہے

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا درجہ بلند کرتا ہے، آگے فرماتے ہیں: وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ تو عالم بھی تو ایمان والے ہیں، ان کی تعریف تو ان میں شامل تھی، لیکن وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ میں ان کو الگ کیوں بیان کیا گیا؟ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سارے مومن کتنے ہی مبلغ ہو جائیں، کتنے ہی عابد ہو جائیں، اتنی کرامت ہو جائے کہ آسمانوں میں اڑنے لگیں، لیکن وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ یعنی علماء کے درجات کے مقابلے میں نہیں آسکتے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کو الگ بیان کر کے جتنی عزت بخشی ہے کسی اور کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی۔ (روح المعانی: 29/28، المجادلۃ)

اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے عوام کے دل میں علماء کی عظمت کم ہو۔ اگر عوام میں علماء کی عظمت نہ ہو گی تو بڑا فتنہ پیدا ہو گا۔ پھر نتیجہ

کیا ہوگا کہ علماء کو بھی نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس سے کیا ہوگا؟ دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ علماء کو کم پہنچے گا عوام کو زیادہ پہنچے گا، علماء کو یہ کہ عوام کی خدمت کی سعادت نہیں ملے گی اور عوام علماء سے متنفر ہو کر بالکل ہی محروم ہو جائیں گے، نہ صحیح راستے پر رہیں گے نہ حدود کا خیال کریں گے۔

علماء فرض کام میں لگے ہوئے ہیں

پس جو لوگ خود کو علماء سے دور رکھتے ہیں اور تبلیغی اجتماعات میں بہت بڑا مجمع دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بنگلہ دیش میں مثلاً دس کروڑ مسلمان ہیں، اگر ان میں سے ایک کروڑ تبلیغ میں لگے ہیں تو نو کروڑ مسلمانوں کو کون دین پہنچائے گا؟ یہی علماء جو مساجد میں ائمہ ہیں، مدارس میں پڑھا رہے ہیں، خانقاہوں میں تزکیہ واصلاح کا کام کر رہے ہیں۔ اگر سارے ڈاکٹر بستر لے کر گاؤں گاؤں نکل جائیں اور بیمار لوگ ڈاکٹر کے پاس پہنچیں، تو معلوم ہو کہ وہ گشتی شفا خانہ لے کر تین چلّے لگانے گئے ہیں، تو مریض کا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا جس طرح ان ڈاکٹروں کی قدر کرتے ہو جو دوکان لیے شہروں میں بیٹھے ہیں، اسی طرح ان علماء وحفاظ وقراء کو بھی عزت سے دیکھو جو شہر میں کام کر رہے ہیں۔ نورانی قاعدہ پڑھانے والے کی بھی عزت کرو، بخاری شریف پڑھانے والے کی بھی عزت کرو، جو دین کے جس کام میں لگا ہوا ہے اس کو فریق مت بناؤ، رفیق بناؤ۔ دین کا ہر شعبہ اہم ہے اور ہمارا ہے، خواہ وہ تعلیم کا شعبہ ہو، تدریس کا شعبہ ہو یا تبلیغ کا شعبہ ہو، لہٰذا یہ عنوان اختیار کرنا کہ صاحب ہم جیسوں سے جاپان میں

اتنے لوگ مسلمان ہو گئے اور امریکا میں اتنے مسلمان ہو گئے اور علماء سے کچھ کام نہیں ہو رہا ہے، یہ عنوان دین میں تفرقہ ڈالنے والا ہے۔ ارے! علماء فرض میں لگے ہیں اور تم مستحب میں لگے ہو، تم علماء کے پیر کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، قیامت کے دن فیصلہ ہو گا تب پتا چلے گا۔

کفار کو اسلام پہنچانا مستحب عمل ہے اور دین کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ جو قرآنِ پاک کی حفاظت کر رہا ہے، حدیثِ پاک کی حفاظت کر رہا ہے وہ فرض کام میں لگا ہوا ہے۔ اور آپ بتائیں کہ جو فرض میں لگا ہوا ہے وہ اہم ہے یا جو نفل میں لگا ہوا ہے وہ اہم ہے؟ بادشاہ ایئر کنڈیشن میں بیٹھا ہوا دستخط کرتا ہے، تو کیا اس کی عظمت کو وہ مزدور پا سکتا ہے جو ٹھیلہ کھینچ رہا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم نے تو جنگلوں میں، دریاؤں میں پسینے گرائے ہیں اور مولوی لوگ پنکھوں کے نیچے بیٹھ کر بخاری پڑھا رہے ہیں، تو مولانا لوگ ہمارے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اب پسینے کی قیمت بھی سن لو! ہر شخص کے پسینے کی قیمت اس کی عقل و فہم اور دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ کیا ساری امت کا پسینہ نبی کے ایک قطرہ پسینے کے برابر ہو جائے گا؟ نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر کیا ساری امت کا خون ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس روشنائی سے علماء کتاب لکھتے ہیں وہ روشنائی قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر وزن ہو گی۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی ہے۔ علمائے محدثین نے اس حدیث کی تصدیق کی ہے کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

علماء کرام دین کی فیکٹریاں ہیں اور تبلیغی جماعت ٹھیلے والے ہیں

میں نے یہ اس لیے عرض کر دیا تاکہ شیطان آپ کے دلوں میں وسوسہ نہ ڈالے کہ علماء تو حجروں میں بیٹھے ہوئے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں اور تبلیغی جماعت والے جاپان میں اسلام پھیلا رہے ہیں، لہٰذا تبلیغی جماعت کے عوام افضل ہیں علماء سے۔ اگر یہ خیال کیا تو گمراہ ہوجائیں گے، کیوں کہ فرض میں مشغول ہونے والے کو مستحب میں مشغول ہونے والے سے کمتر سمجھنا جہالت ہے۔ ہمارے علماء مدارس میں علماء تیار کر رہے ہیں، پھر تبلیغی احباب بھی ان ہی سے دین سیکھتے ہیں اور ماشاءاللہ دروازہ دروازہ پہنچاتے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم تھے، انہوں نے جو کتابیں لکھیں تو تبلیغی احباب ان کے مال کو گلی گلی، کوچہ کوچہ، پہاڑوں کے دامن میں پہنچا رہے ہیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ہمارا مال پہاڑوں تک پہنچ گیا، لیکن ٹھیلے والے کو چاہیے کہ فیکٹری کو حقیر نہ سمجھے، فیکٹریاں بند ہوجائیں گی تو تمہارے ٹھیلے پر ایک کپڑا، ایک مال بھی نظر نہیں آئے گا۔ تو علماء و مدارس دین کی فیکٹریاں ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم ان الفاظ میں نازل کیا ہے:

بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ (المآئدۃ: 67)

یعنی جو نازل کیا گیا ہے اُس کی تبلیغ کرو۔ اب اگر کسی کے پاس مَاۤ اُنۡزِلَ نہیں ہے تو وہ کیا تبلیغ کرے گا؟ مَاۤ اُنۡزِلَ ہی کی تو تبلیغ کرنی ہے۔

ہر مسلمان پر دعوت الی اللہ فرض نہیں

تبلیغی جماعت جو یہ کہتی ہے کہ یہ کام نبیوں والا ہے تو بے شک لوگوں تک دین

پہنچانا نبیوں والا کام ہے، لیکن یہ کام ہر ایک پر فرضِ عین نہیں ہے وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ میں مِنۡ تبعیضیہ ہے۔ تمام جمہور کا اجماع ہے کہ جو دعوت الی اللہ کی صلاحیت رکھتے ہوں وہی بیان کریں، یہ نہیں کہ جو چاہے منبر پر کھڑا ہو کر اُوٹ پٹانگ مسئلے بیان کرے۔ اسی لیے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ والوں کو چھ نمبر میں محدود کیا تھا لیکن اب بعض نیا رنگ روٹ جوش میں آکر چھ نمبر کو بھی توڑ دیتا ہے اور جو سامنے بیٹھا ہوتا ہے لاپروائی سے اُسے لات بھی مارتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو، اور معافی بھی نہیں مانگتا۔ بس جوش میں کبھی آگے بڑھتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹتا ہے، پاگل کی طرح تقریر کرتا ہے، یہ لات میں بھی کھا چکا ہوں اس لیے بیان کر رہا ہوں۔ ایک شخص واحد کالونی ناظم آباد میں بیان کے لیے کھڑا تھا، میں محض اس لیے اس کے بیان میں بیٹھ گیا کہ بھئی دعوت کے کام سے جوڑ رہے، اب جناب وہ آگے بڑھتا ہے، تو مجھے ایک لات مارتا ہے پھر پیچھے ہٹتا ہے، پھر آگے بڑھتا ہے اور ایک لات مارتا ہے، جوش میں بس تقریر کیے جا رہا ہے۔ اسی لیے نفس کو مٹانے اور مہذب کرنے کے لیے ایک زمانہ چاہیے۔

تو جو چیز میں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس عقیدے کی اصلاح فرض ہے کہ نبیوں والا کام صرف تبلیغی جماعت کر رہی ہے، حالاں کہ خانقاہوں میں تزکیۂ نفس کا، مکاتبِ قرآن میں قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا اور دارالعلوم و مدارسِ دینیہ

میں قرآن وحدیث کی تفسیر وشرح کا جو کام ہو رہا ہے یہ بھی نبیوں والا کام ہے، اس لیے علماء کو اس بنا پر حقیر سمجھنا کہ یہ بستر اٹھا کر چلّے پر نہیں جاتے بالکل حرام ہے۔ جب ایک ادنیٰ مسلمان کو حقیر سمجھنے سے جنت میں داخلہ نہیں ملے گا، تو علماء کو حقیر سمجھنا کیسے جائز ہوگا؟ حدیث شریف میں ہے:

لَا یَدۡخُلُ الۡجَنَّۃَ مَنۡ کَانَ فِیۡ قَلۡبِہٖ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنۡ کِبۡرٍ

جس کے دل میں رائی کے برابر بڑائی ہوگی وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اور حدیث شریف میں کبر کے دو جز بتائے گئے ہیں:

بَطَرُ الۡحَقِّ وَغَمۡطُ النَّاسِ (صحیح مسلم: 1/65، باب تحریم الکبر وبیانہ، ایچ ایم سعید)

نمبر ۱) حق کو قبول نہ کرنا، نمبر ۲) انسانوں کو حقیر سمجھنا۔ اَلنَّاسُ میں الف لام استغراق کا ہے یعنی کسی بھی انسان کو حقیر سمجھنا۔ اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ کسی کافر کو بھی حقیر سمجھنا جائز نہیں ہے، اس کے کفر سے تو نفرت ہو، لیکن اس کی ذات کو حقیر سمجھنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ بہرحال اس کے مسلمان ہونے کا امکان موجود ہے۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں بودنش باشد امید

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو، کیوں کہ اس کے مسلمان ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اسے مرتے وقت کلمہ نصیب ہوجائے اور آپ کے پاس کیا ضمانت ہے کہ آپ کو کلمہ نصیب ہوگا؟

اپنی نظر میں حقیر ہونا مطلوب ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے سارے مسلمانوں سے کمتر اور بدتر ہوں فی الحال اور ساری دنیا کے جانوروں اور کافروں سے بدتر ہوں فی المآل، کیوں کہ اگر انجام کے اعتبار سے نعوذ باللہ! میرا خاتمہ کفر پر ہوگیا تو جانور اور سور، کتے سب مجھ سے اچھے ہیں، ہاں اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوجائے تو بے شک پھر میں بہتر ہوں اور ابھی خاتمے کا پتا نہیں، لہٰذا ابھی اپنے کو کیسے بہتر سمجھوں؟ اس لیے دو جملے حضرت نے فرمائے کہ میں ساری دنیا کے مسلمانوں سے بدتر ہوں فی الحال، کیوں کہ اگرچہ کوئی مسلمان خواہ شرابی اور زانی ہو، لیکن ممکن ہے کہ اس کا کوئی نیک عمل قبول ہوجائے یا صرف ایمان کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی ساری بُرائیوں کو معاف کردے اور ہماری تمام نیکیوں اور دینی کارناموں کے باوجود کوئی عمل ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوکر ہماری تمام نیکیوں کو مٹادے، اس لیے میں تمام مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھتا ہوں فی الحال اور کافروں سے اور جانوروں سے کمتر سمجھتا ہوں فی المآل، اور فرمایا کہ اگر کسی کا گناہ نظر آجائے تو اس کے عیب کو زکام سمجھو اور اپنے عیب کو سمجھو کہ کوڑھ ہے، کبھی کسی کوڑھی کو زکامی پر ہنستے ہوئے نہیں پاؤ گے۔ حضرت کے اس ملفوظ کو میں نے نظم کردیا کہ؂

نامناسب ہے اے دلِ ناداں

اِک زُکامی ہنسے جذامی پر

اپنے گناہ کو پھانسی کا کیس سمجھے اور دوسرے کے گناہ کو میونسپلٹی کا چالان سمجھے کہ سو دو سو روپے دے کر چھوٹ جائے گا۔ تو اللہ والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ اپنے عیوب کے سامنے دوسروں کے عیب نظر نہیں آتے۔ حضرت ابو ذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اے ابو ذر! تم اپنے عیوب کا اتنا مطالعہ کرو کہ دوسروں کے عیوب سے تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں۔ یہی تزکیۂ نفس ہے جو بعثتِ نبوت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند نکاحوں پر اعتراض کا جواب

حضرت مرشدی حکیم ادریس حبان رحیمی ادام اللہ فیوضھم فرماتے ہیں: غیر مسلمین کہا کرتے ہیں کہ تمہارے نبی نے اتنے نکاح کئے ہیں، ان کو اتنے نکاح کی ضرورت کیا تھی؟ نعوذ باللہ!

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکاح کئے ہیں اس میں دین کی بقا اور امت کے بہت سارے فائدے تھے، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کئے اور اس میں حضرت صفیہؓ کا نکاح بھی شامل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کرلیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے پاس بہت سارے غلام مال غنیمت میں ملے تھے، جب صحابہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کرلیا ہے اور ان کے قبیلے کے بہت سارے لوگ مال غنیمت میں بطور غلام ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے داروں کو قید میں رکھنا اور غلام بنا کر رکھنا صحابہؓ نے گوارا نہیں کیا بلکہ سارے قیدیوں اور غلاموں

کو آزاد کر دیا صرف اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار ہیں، معلوم ہوا کہ حضرت صفیہؓ کے خاندان کو جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فائدہ پہونچا کسی سے نہیں پہونچا حضرت صفیہؓ یہودی خاندان سے تھیں، عورتوں کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے، مردوں میں برداشت اور تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، عورتیں جلدی اور چھوٹی چھوٹی بات میں ناراض ہو جاتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی بات میں خوش ہو جاتی ہیں۔ (خطبات رحیمی)

ایک مرتبہ حضرت صفیہؓ کو کسی دوسری ام المومنین نے کہہ دیا کہ صفیہ تو یہود یہ ہے وہ ایمان لا چکی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو امہات المومنین میں شامل فرمایا اور ساری امت کی ماں قرار دیا، اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت صفیہؓ کو بڑی ناراضگی ہوئی اور صدمہ ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ صفیہ! تم کو اگر کوئی کہے کہ میں ابو بکر وعمر کی بیٹی ہوں تو تم بھی کہہ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی بیٹی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے درمیان رنجش نہیں بڑھاتے تھے بلکہ رنجش گھٹاتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ تمام متعلقین کی اچھی صفت کو ظاہر فرما کر ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ (خطبات رحیمی)

معترضین کے اعتراض اور طعن وتشنیع کے جواب میں حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت اقدس حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنی براءت فرمانے کی ہرگز کوشش نہیں فرماتے بلکہ اگر وہ

اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی سابقہ تحقیق سے بلا تامل رجوع فرما لیتے ہیں۔ (اشرف السوانح جلد سوم صفحہ 154)

اور اگر اس اعتراض کا قابل قبول ہونا مشکوک ہوتا ہے تو اس اعتراض کو اپنے جواب کے ساتھ ''ترجیح الرجح'' میں شائع فرما دیتے ہیں تاکہ دیکھنے والے خود جس کے قول کو چاہیں ترجیح دے سکیں یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراض کے ساتھ فرماتے ہیں۔

اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے (جو طعن و تشنیع پر مشتمل ہوتا ہے) تو اس کے متعلق پرواہ نہیں فرماتے، چنانچہ اگر ایسا اعتراض جوابی خط کے ذریعہ موصول ہوتا ہے تو اپنی براءت فرمانے کے بجائے نہایت استغناء کا جواب تحریر فرما دیتے ہیں، اور ایسے عنوان سے کہ معترض پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے اعتراض کو بالکل لغو اور نا قابل التفات سمجھا گیا، مثلاً ایک شخص کو جس نے واہی تباہی اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے تحریر فرما دیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ عیوب ہیں مگر مجھے تو اپنے عیوب کی اشاعت کی توفیق نہیں ہوئی تم ان کو مشتہر کر دو تاکہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔

اور اگر خط جوابی نہیں ہوتا تو اس کو پھاڑ کر ردی میں ڈال دیتے ہیں۔

(حضرت اقدس تھانویؒ نے) معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراض پر بھی خصوصاً جہاں نیک نیتی کا گمان تھا اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابلِ قبول ہو تو اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

مخالفین کی مخالفت کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے چند اشعار

فرمایا: مخالفین لوگ خوامخواہ اس کوشش میں پریشان ہیں کہ وہ میرے عیوب پر

مخلوق کو مطلع کریں، میں خود ہی اپنی حقیقت منکشف کئے دیتا ہوں اور اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ۔

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

اور جب کوئی مجھ سے اعتراض کرتا ہے اور میری روک ٹوک اور اصلاح پر ناگواری ہوتی ہے تو پڑھا کرتا ہوں ۔

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اور لوگوں کے برا بھلا اور سبّ وشتم اور لعن طعن کرنے پر یہ پڑھا کرتا ہوں ۔

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب برا کہنے کو ہیں

خیر کہا کریں برا بھلا اور لگاتے رہیں الزام و بہتان اور کریں اچھی طرح بدنام ، یہاں تو الحمد للہ یہ مذہب ہے۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

خیر کوئی کچھ کہا کرے، کوئی خوش رہے یا ناراض، معتقد ہو یا غیر معتقد یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہئے۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

اور صاحب یہ تو بےفکروں کی باتیں ہیں جن کو آخرت کی فکر ہے ان کو ان چیزوں کی فرصت کہاں، انہیں دشمن سے مقابلہ کے واسطے وقت ہی میسر نہیں دوست کی مشغولی ہی کیا کچھ کم ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۷۳ ج ۴ قسط ۱ ملفوظ ۵۳)

حضرت تھانویؒ کا حال

مجھ کو اس وقت اپنی تین حالتیں پیش نظر ہیں ایک محبین (محبت کرنے والوں) کی ملامت اور مخالفین کا اعتراض، دوسرے ان سب اعتراضوں کو ایک جگہ جمع کر دینا، تیسرے اس جمع کرنے میں یہ نیت کہ جس کا جی چاہے تعلق رکھے جس کا جی چاہے نہ رکھے، ان تینوں حالتوں پر تین شعر بےساختہ ذہن میں آتے ہیں۔

پہلی بات (اپنوں کی ملامت) کے متعلق مؤمن خاں کا شعر ؎

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب برا کہنے کو ہیں

دوسری بات (یعنی سب عیبوں کو ایک ساتھ جمع کرنا اس) کے متعلق اسی غزل کا دوسرا شعر ؎

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

تیسری بات کے متعلق غالب کے شعر قدرے تصرف کے ساتھ ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَھُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ ۔ (اشرف السوانح ص ۱۵۷،۱۵۸ ج ۳)

(ترجمہ) اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا، اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (بیان القرآن)

اہل محبت کا اصرار اور اس کا جواب

باقی اہل محبت کی یہ توجیہ کہ اعتراض سے عام مسلمانوں کو گناہ ہوتا ہے تو (اعتراضوں کا) جواب دینے سے ان کو اس گناہ سے بچانا ہے (لیکن) غور وفکر کے بعد یہ توجیہ بھی برائے گفتن ہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ دوسرے مسلمان ہزاروں گناہوں میں مبتلا ہیں ان سے بچانے کا اس قدر اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا، نیز دوسرے علماء حقانی سے اگر ایسی ہی بدگمانی ہو جائے اس کے دور کرنے کا وہ اہتمام نہیں ہوتا جو اپنے نفس یا اپنے (شیخ اور بزرگ کے لئے) جن سے اعتقاد ہے ان کے لئے ہوتا ہے، بلکہ اس قدر تو کیا کچھ بھی نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات (دوسرے) بزرگوں سے چشمک ہوتی ہے تو نفس میں ایک گونہ سرور پایا جاتا ہے (اور خوشی ہوتی ہے کہ) اچھا ہوا ان کی ذرا رسوائی تو ہوئی۔

خالص دین کیلئے احتیاط ولحاظ کے ساتھ اعتراض

فرمایا کہ ایک معاملہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے ایک فتوے لکھا،

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے مشہور مرید امیر شاہ خان صاحب نے اس پر کچھ اعتراض کیا اور لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا اس کے بعد خیال آیا کہ میں نے بے ادبی کی تو دوسرا خط معذرت اور معافی کے لیے لکھا۔

حضرت مولانا گنگوہی نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مجھے آپ کا پہلا خط جس میں اعتراض تھا پسند آیا، یہ دوسرا پسند نہیں آیا کیونکہ پہلے خط میں آپ نے جو کچھ لکھا تھا وہ خالص دین کے لیے تھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی نیت بے ادبی کرنے کی نہیں تھی اس لیے ذرہ برابر ناگواری نہیں ہوئی۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۰۰)

مجتہدین کے اختلافی مسائل میں بحث و تحقیق کی زیادہ کاوش مناسب نہیں

غلو ٹھیک نہیں جس کا فتویٰ صحیح سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو، ہم کوئی موسیٰ علیہ السلام تو ہیں نہیں جب ہم جیسے نالائق امام اعظم کے بعض فتوؤں کو غلط کہہ دیتے ہیں تو ہمارے فتوے کیا ہیں، یہ عقیدہ کہ ان سے غلطی نہیں ہوتی بہت غلو ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۷۱)

فرمایا: جن مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے ان میں بحث و تحقیق کی زیادہ کاوش طبعاً ناگوار ہے کیونکہ سب کچھ تحقیقات کے بعد بھی انجام یہی رہتا ہے کہ اپنا مذہب صواب محتمل الخطاء اور دوسروں کا مذہب خطا متحمل الصواب ہے کتنی ہی تحقیق کرلو، کسی امام مجتہد کے مسئلہ کو بالکل غلط قرار نہیں دیا جاسکتا اسی لیے میں اس بات سے بہت گریز کرتا ہوں۔ (حسن العزیز ص: ۳۷۰)

بعض اوقات تو سوالات وشبہات کے جواب میں اسی پر قناعت کرلیتا ہوں کہ سائل سے

پوچھتا ہوں کہ یہ مسئلہ قطعی ہے یا ظنی؟ ظاہر بات ہے کہ قطعی ہوتا تو محل اجتہاد نہ ہوتا، وہ کہتا ہے کہ ظنی ہے، تو میں کہہ دیتا ہوں تو پھر ظنی ہونے کا تقاضا ہی یہی ہے کہ جانب مخالف کا شبہ اس میں رہتا ہے، اگر تمہیں شبہ ہے تو ہوا کرے، اس سے تو مسئلہ کی ظنیت کی تاکید وتقویت ہوتی ہے، ایسے شبہ سے کچھ حرج نہیں ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۷۲)

فرمایا: جب میں کانپور میں حدیث پڑھاتا تھا تو میرے دل میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ترجیح قائم ہوگئی چنانچہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا، مگر حضرت گنگوہی کو لکھ کر بھیج دیا اس کے جواب میں حضرت نے مجھے کچھ نہیں فرمایا، مگر چند ہی روز گذرے تھے کہ پھر خود بخود دل میں ترک فاتحہ خلف الامام کی ترجیح ہوگئی اور اس کے مطابق عمل کرنے لگا، اس کی بھی اطلاع حضرت کو کر دی، حضرت نے کچھ نہیں فرمایا حضرت کو یہ معلوم تھا کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں نیک نیتی سے کرتے ہیں۔ (جالس حکیم الامت ص ۱۷۰)

علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض اور اس کا تحقیقی جواب

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک اعتراض مولویوں (اور اہل علم) پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے ہوئے گھروں، اور مدرسوں، اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا۔ اور گھروں سے نکل کر گمراہیوں کی دستگیری (ان کی ہدایت کی فکر) نہیں کرتے۔ لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے، کوئی احکام سے بالکل بے خبر ہے لیکن

ان کو کچھ پرواہ نہیں ۔حتی کہ بعض لوگ تو بلانے سے بھی نہیں آتے اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو کوئی ضروری شغل نہ ہوتو (اعتراض کی گنجائش بھی ہے ۔لیکن جو اسلام کی دوسری خدمات کررہے ہیں (مثلاً مدرسہ میں تدریس وتصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی وغیرہ جوکہ تبلیغ ہی کے شعبے ہیں ۔اور یہ کام بھی ضروری اور فرض ہیں) تو جب وہ بھی ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں تو پھراس شبہ (واعتراض) کی گنجائش کہاں ہے؟

دوسرے جس طرح علماء کومشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہونچ کر ہدایت واصلاح کریں ۔خود ان گمراہوں کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کرلو۔

تیسرے کیا اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے دوسرے دنیادار مالدار مسلمانوں کے ذمہ نہیں؟

ان کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ علماء کو معاش سے فراغ نہیں ۔آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کرکے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں ،اوران کی کافی مدد کرکے معاش سے ان کو بے نیاز کریں ،پھروہ علماء معاش سے بے نیاز ہوکر اس خدمت کوانجام دیں ۔جس طرح مشنری (عیسائیوں کے علماء تبلیغی تنظیم وتحریک کے تحت) بڑی بڑی تنخواہیں پارہے ہیں اور جگہ جگہ لکچر دیتے اور رسائل تقسیم کرتے

پھر رہے ہیں۔اور ہمارے معترضین حضرات کو جو یہ اعتراض علماء پر سوجھا ہے وہ انہیں مشنریوں کی کوششوں کو دیکھ کر سوجھا ہے چونکہ مشنری لوگ ایسا کر رہے ہیں اور علماء کو ایسا کرتے کم دیکھا ہے اس لئے اعتراض کر دیا۔

لیکن علماء پر اعتراض دینے (اور اعتراض کرنے) سے پہلے ہم یہ بھی تو دیکھ لیں کہ آیا ہمارے دنیاداران کے دنیاداروں کے برابر بھی مالی اعانت کرتے ہیں یا نہیں؟۔ (حقوق العلم: ص۵۱)

کیا علماء کے ذمہ گھر گھر جا کر تبلیغ کرنا ضروری ہے؟

فرمایا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آ کر ہمیں ہدایت (یعنی تبلیغ) کریں میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ گھروں پر جا کر ان کو ہدایت کریں۔ نیز اس میں ان کی حاجت مندی کا شبہ ہوسکتا ہے۔

بس مناسب یہی ہے کہ علماء اپنے مکان (مرکز) پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں۔

سول سرجن (ڈاکٹر) پر کبھی آپ نے یہ اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن صاحب شفیق نہیں۔ ہمارے پاس گھروں میں آ کر علاج نہیں کرتا۔ پھر علماء پر اس قسم کا کیوں اعتراض کرتے ہو۔ (حسن العزیز: ص ۳۲۲رج ۴)

دعوت وتبلیغ کے لئے مدارس کا قیام ایسا ہے جیسے نماز کیلئے وضو

یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب انبیاء علیہ السلام نے مدرسہ نہیں بنایا تو مدرسہ بے

کار ہیں ۔ یہ بیکار نہیں ہیں ۔ یہ ایسے ہیں ۔ جیسے نماز کیلئے وضو، کہ جس طرح نماز کے لئے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ واشاعت دین کیلئے مدارس کا وجود ضروری ہے ۔ وہاں تو مدارس کی ضرورت اس لئے نہ تھی کہ علوم کا محفوظ رہنا عادۃً ان پر موقوف نہ تھا ۔سماع (سننے) سے علوم محفوظ تھے ۔اور وہاں رات دن ان کی تبلیغ واشاعت ہی سے کام تھا ۔سفر میں، حضر میں، چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے ان حضرات کا شغل دعوت الی اللہ ہی تھا۔

اب رہا یہ کہ پڑھنا پڑھانا پھر کیوں ضروری ہوا۔اصل تو یہی تھا کہ ایک دوسرے کو یوں ہی کہتا رہے ۔مگر نہ سلف کا سا تقویٰ رہا۔نہ حافظہ۔اگر ایسے ہی رہنے دیا جاتا تو یہ اطمینان نہ تھا کہ سنے ہوئے مسائل یاد رہیں گے ۔دوسرے تقویٰ کی کمی سے دیانت بھی روز بروز کم ہوجاتی ہے ۔تو اس حالت میں یہ بھی اعتماد نہ تھا۔کہ (دین کی بات جو) یہ نقل کرتا ہے یہ ٹھیک بھی ہے یا اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی کر رہا ہے۔جب یہ آثار ظاہر ہونے لگے تو سلف صالحین کو توجہ ہوئی کہ دین کو ضبط کرنا چاہئے ۔

تو تبلیغ واشاعت کے لئے علم صحیح کی ضرورت تھی اور اس کے محفوظ رکھنے کے لئے کتابوں کے لکھے جانے کی ضرورت ہوئی ......اس طرح مدارس کی ضرورت پیدا ہوگئی ۔کیوں کہ ناقص کی تبلیغ کا کچھ اعتبار نہیں تو تعلیم و تعلم بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۲۴، آداب التبلیغ: ص ۱۰۵)

طلبہ ومدرسین کے لئے پڑھنا پڑھانا بھی تبلیغ ہے اگر ثواب کی نیت سے ہو

مختلف اوقات میں تبلیغ کے مختلف طریقے ہیں ۔مثلاً اس وقت (اے طلبہ مدرسہ!) آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے ۔اگر نیت اچھی ہو ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' (اعمال کا دار

مدار نیت پر ہے) اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا۔ تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ کا شعبہ ہے۔ اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں۔

غرض اچھی نیت سے اس وقت یہی کتابیں پڑھنا بیشک اصل تبلیغ ہے۔ اور میں نے ''اس وقت'' کی قید اس لئے لگائی ہے کہ پہلے زمانہ میں صحابہ و تابعین کو مروجہ تدریس (پڑھنے پڑھانے) کی ضرورت نہیں ۔ ان کا تو اس کے بغیر کام چلتا تھا ۔ کیوں کہ اس وقت حافظے تیز تھے اور دینداری بھی تھی اور اس وقت اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر کتابیں مدوّن نہ ہوں ۔ اور آج کل لوگوں کا نہ حافظہ ویسا ہے نہ ویسا تدین ہے۔ نہ ان کے قول پر ان جیسا اعتماد ہے۔ پھر زبانی کوئی مضمون حدیث وفقہ کا بیان کیا جاتا تو سامعین کو ہرگز تسلی نہ ہوتی ۔ اور خیال ہوتا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک بھی ہے یا یوں ہی الٹ پلٹ ہانک رہے ہیں ۔ اگر کتابیں مدوّن نہ ہوتیں تو بڑا خلط مبحث ہوتا۔ دین میں بڑا فساد پھیلتا۔

اور جب ان چیزوں کی ضرورت ثابت ہوگئی ، کیوں کہ ان کے بغیر کام نہیں چلتا ۔ چنانچہ اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہونچنے کی کوئی صورت نہیں ۔ اور بغیر مدارس قائم کئے ہوئے کتابوں کی تعلیم ممکن نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں ہے بلکہ سنت ہے ۔ کیوں کہ اس درس تدریس سے بھی مقصود تبلیغ ہی ہے خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ چنانچہ بلا واسطہ تو تبلیغ مخاطب اوّل کو ہے یعنی طلبہ کو ۔ اور بالواسطہ مخاطب ثانی کو یعنی عوام کو۔

سو یہ درس تدریس (مدارس میں پڑھنا پڑھانا) تبلیغ کا اتنا بڑا فرد ہے مگر ہم (مدرسہ والے) تبلیغ کی نیت نہ کرنے سے اس کے ثواب سے محروم ہیں ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّات'' سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت نہ کرنے سے اعمال کا ثواب نہیں ملتا۔ گو عمل متحقق ہو جائے۔ (آداب التبلیغ: ص ۹۸،۹۹)

تبلیغ میں غلو، تعلیم کو چھوڑ کر تبلیغ میں جانے کی ممانعت

ہم لوگوں میں کام کے وقت غلو ہو جاتا ہے کہ بس جدھر رخ کرتے ہیں، سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں، اس لئے تبلیغ کی ضرورت بیان کرتے ہوئے مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ مدرسین وطلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں بلکہ اس کو اپنے بزرگوں سے پوچھو کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ آیا سبق چھوڑ کر چلے جائیں یا پڑھتے رہیں۔ یا ایک وہاں سے چلا آئے۔ پھر دوسرا جائے۔ غرض اپنی رائے سے کچھ نہ کرو۔ ورنہ بجائے اصلاح کے فساد ہوگا۔

میں نے اس کو قصداً عرض کیا ہے کیونکہ میں یہ رنگ دیکھ رہا ہوں کہ آج کل وہ طلبہ بھی جو علم سے فارغ نہیں ہوئے۔ تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کے لئے تکمیل علم پہلے ضروری ہے کیوں کہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہو تو تصنیف وتبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے کیوں کہ ناقص (جاہل) کی تبلیغ وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں (علم نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوگا دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا) بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل ناپید ہو جائے گا تو تعلیم و تعلم (درس وتدریس پڑھنا پڑھانا) بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے۔ (آداب التبلیغ: ص ۱۰۵)

علماء کے دعوت وتبلیغ کرنے کی کیفیت اور اس کا طریقہ

دعوت کی دو قسمیں ہیں: ایک دعوت خاصہ، ایک دعوت عامہ۔
دعوت عامہ وہ ہے جس میں خطاب عام ہو۔ یہ کام صرف مقتداؤں (یعنی علماء) کا ہے۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۵۵)

(بالفاظ دیگر) خطاب کی دو قسمیں ہیں: ایک خطاب عام، دوسرے خطاب خاص۔ دوسری تقسیم یہ ہے کہ ایک خطاب بالمنصوص ہے، ایک خطاب بالاجتہاد۔ پس خطاب عام وعظ کی صورت میں یہ تو علماء ہی کا کام ہے۔ انہیں کے خطاب عام میں اثر ہوتا ہے کیوں کہ لوگ ان کو مقتدا سمجھتے ہیں اور عامی شخص کو کوئی مقتدا نہیں سمجھتا۔

غرض ایسے امور کی تبلیغ جن کی حقیقت علماء ہی سمجھتے ہیں۔ یا خطاب عام کے ساتھ وعظ کہنا اور دین کے احکام بیان کرنا علماء کے ساتھ خاص ہے (اور یہی ان کی تبلیغ ہے) (التواصی بالحق: ص ۱۶۳، ۱۶۴)

اہل علم کو چاہئے کہ دعوت الی اللہ بھی کیا کریں، جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۲۴)

عوام کو تبلیغ عام اور وعظ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

بعض اَن پڑھ بھی صاحب کمال اور دیندار سمجھدار ہوتے ہیں۔ ان کا حافظہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور اس کے باوجود اگر ان سے کوئی بات پوچھی جائے اور ان کو معلوم نہ ہو، تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں۔ ایسے لوگوں کا وعظ کہنا کسی عالم کی اجازت کے بعد جائز ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ایک امّی (اَن پڑھ) شخص وعظ کہتا تھا۔مگر اس کا حافظہ ایسا اچھا تھا۔کہ وہ شاہ صاحب کے وعظ کو ازبر یاد کرلیتا تھا تو ایسے شخص کو اجازت ہے جب کہ ہر پہلو سے یقین ہو جائے کہ قوی الحافظہ ہے......(دیندار) بھی ہے اور اس کے دین کی جانچ بھی کرلی ہو۔

اسی طرح اگر کسی طالب علم کو وعظ کے لئے متعین کیا جائے تو جائز ہے مگر اس کے حدود مقرر کردو، کہ اس حد تک کام کرو آگے نہ بڑھو (جیسے مروّجہ تبلیغ والوں کو صرف چھ نمبر بیان کرنے کی اجازت ہے) آخر دنیا کے ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے کہ اس حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں رکھا جاتا۔ (آداب التبلیغ:ص۱۰۸)

علماء وعوام کی تبلیغ کا فرق اور اس کے حدود

(۱) علماء کے ذمہ تو تبلیغ اس شان سے ہے کہ وہ اپنے سارے اوقات میں یہی کام کریں۔اور دوسرے آدمی جستہ جستہ (وقتاً فوقتاً) اوقات میں یہ کام کیا کریں۔

(۲) تفصیل اس کی یہ ہے کہ خطاب کی دو قسمیں ہیں: ایک خطاب عام دوسرے خطاب خاص۔دوسری تقسیم یہ ہے کہ ایک خطاب بالمنصوص ہے ایک خطاب بالاجتہاد ۔پس خطاب عام بصورت وعظ تو علماء کا کام ہے......مگر انفرادی خطاب میں علماء کی تخصیص نہیں۔انفرادی طور پر ہر مسلمان ایک دوسرے کو نصیحت کرسکتا ہے۔

(۳) اسی طرح خطاب بالمنصوص علماء کے ساتھ خاص نہیں (یعنی جو مسائل واحکام شریعت میں صاف صاف مذکور ہیں ان کی تبلیغ علماء کے ساتھ خاص نہیں ہر شخص

کو کرنا چاہئے، ہر شخص بآواز بلند کہہ سکتا ہے کہ ایمان لانا فرض ہے۔ نماز، روزہ، اور زکوٰۃ فرض ہے۔

اور امور اجتہادیہ (فقہ کے باریک مسائل) سے خطاب کرنا علماء کے ساتھ خاص ہے۔ عوام اس میں غلطی کریں گے۔ عالم کو اوّل تو جزئیات بہت یاد ہوں گے وہ اس میں غلطی نہ کرے گا۔ اور اگر جزئیات نہ بھی یاد ہوئے تو علم کی شان کے اعتبار سے اس کو ''لا ادری'' (مجھے معلوم نہیں) کہنے میں عار نہ ہوگا۔

غرض ایسے امور کی تبلیغ کرنا جن کی حقیقت علماء ہی سمجھ سکتے ہیں یا خطاب عام کے ساتھ وعظ کہنا، دین کے احکام بیان کرنا تو علماء کے ساتھ خاص ہے۔ اور انفرادی خطاب ایسے مسائل احکام کے ساتھ جو منصوص و مشہور ہیں علماء کے ساتھ خاص نہیں (ہر شخص کر سکتا ہے)۔ (التواصی بالحق: ص ۱۶۵، ۱۶۳)

(۴) ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو بھلی باتوں کا حکم کرے اور خلاف شرع باتوں سے روکے، اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہاں جہاں علم درکار ہے مثلاً کوئی اختلافی مسئلہ ہے یا ایسا کوئی مسئلہ ہے جس کے بہت سے شقوق (جہتیں) ہیں اور ان شقوق کا احاطہ نہ کر سکا یا احاطہ تو کر لیا مگر درجہ نہیں معلوم کہ متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ (فتویٰ کس قول پر ہے) تو ایسا مسئلہ بتلانا ہر شخص کے لئے جائز نہیں یہ علماء کے بتلانے کا کام ہے۔

پس تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا پورے طور سے معلوم ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے۔

اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسائل سن کر عالم ہوگیا ہو۔ اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کام کو اس کے لئے معین کیا ہو۔ چنانچہ صحابہؓ نے کہاں پڑھا تھا وہ بھی تو سن کر تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس کے قابل ہوں جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم قابل ہو۔ (آداب التبلیغ: ص ۱۰۶)

اس طرح تبلیغ ہرگز مت کیجئے

اس موقع پر ایک غلطی کا بیان کرنا بہت ضروری ہے جو بے علم اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی ذات بالکل بے پرواہ ہے وہ چاہے۔ تو ایک نکتہ میں بخش دے اور چاہے تو ایک نکتہ میں جہنم بھیج دے۔ اور یہ بات اس طرح سے کہتے ہیں جس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون نہیں بلکہ یوں ہی اناپ شناپ بے تکے طور پر جو چاہتے ہیں کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے مضامین سننے سے اکثر لوگ بالکل مایوس ہوجاتے ہیں۔ اور عبادت وریاضت سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ خدا جانے کس نکتہ (اور معمولی سی بات) پر اچانک پکڑ ہوجائے اور ساری محنت برباد ہی جائے۔

مغفرت اور رحمت کا لینا ہمارے اختیار میں ہے

اسی طرح اکثر لوگ خوب جی بھر کر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون ہی نہیں ایک نکتہ پر عذاب وثواب کا مدار ہے تو اپنی

خواہشات کو کیوں ترک کریں اور خواہ مخواہ کی مصیبت کیوں اختیار کریں۔ ممکن ہے اسی میں سے کوئی نکتہ پسند آ جائے کہ اس پر نوازش ہو جائے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے ثواب کا بھی ایک قانون ہے۔ عذاب کا بھی ایک قانون مقرر ہے۔ ثواب کا کام تو یہی ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

"وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" الآیہ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کو متقی لوگوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ تو جو شخص اس راستہ پر چلے اور اس مقررہ شدہ قانون پر عمل کرے گا۔ وہ مغفرت حاصل کرے گا جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ محروم رہے گا۔ پس معلوم ہوا کہ مغفرت کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور اگر ہم چاہیں تو اس کو حاصل کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مغفرت ورحمت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے۔ ورنہ اگر اس کو اختیار میں نہ مانا جائے تو آیت "سَارِعُوْا" کے کوئی معنی نہیں ہونگے کیونکہ تکلیف مالا یطاق (یعنی ایسی بات کا مکلف بنانا جو انسان کے بس میں نہ ہو) محال اور نص کے خلاف ہے۔ اور یہاں اس کا حکم ہوا ہے تو ضرور وہ تحت الاختیار ہے۔ (یعنی ہمارے اختیار میں ہے)۔ (احکام العشر الاخیرہ ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ: ص ۳۸۸، ۳۸۶)

بعض مبلغین کی زبردست غلطی

بعض غیر محقق واعظین (ومبلغین) کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے: ’’وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُہَا‘‘ (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر بسنے والی مخلوق کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے) تو پھرلوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے۔

خوب یاد رکھو! یہ الزام بھی غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں ۔نہیں، ضرورسب کا ایمان ہے ۔اور ایمان ہونے کے باوجود پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدے دوقسم کے ہیں ۔ایک مبہم اور ایک معین ۔اللہ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا۔لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا؟ اور کہاں سے ملے گا؟ اور کس طریقے سے ملے گا؟ اور کتنا ملے گا۔تو پریشانی ابہام کی وجہ سے ہے اور ساتھ ہی اس مبہم وعدہ پر پورا یقین ہے کہ وقت مقرر پر ضرور ملے گا۔

بعض واعظین (ومبلغین) اسی الزام کو مؤکد (اور ثابت) کرنے کے لئے ایک مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کہ کوئی دوست دعوت کردے تو اطمینان ہوجاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں۔

یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے۔بخدا اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز۔کسی کو پریشانی نہ ہوتی ۔اور اگر دعوت میں بھی وقت معین نہ کیا جائے ۔اور مبہم طور سے کہہ دیا جائے کہ کسی وقت کی

دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا۔

یہاں اتنی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا۔اس پر ایمان ہے شریعت میں غلو نہ کرنا چاہیئے۔جس قدر جو بات ثابت ہو اسی پر رہنا چاہیئے۔

اہل کتاب کو ارشاد ہے: ''یَا اَہْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ'' یعنی اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو۔فروع (احکام) میں ان کے غیر مکلف ہونے کے باوجود ان کو یعنی اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے تو ہم تو بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مکلف ہوں گے۔ (وعظ الجناح ملحقہ مفاسد گناہ: ص ۱۰۴)

وعظ وتبلیغ کا ایک غلط طریقہ یہ بھی ہے

بعض واعظین (ومبلغین) سب کو ایک طرف سے ایک ہی طرح ہانکنا شروع کردیتے ہیں۔ان کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب (خوف اور ڈر والے مضامین) ہوتے ہیں۔انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ان کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں۔تمہارا روزہ کچھ نہیں۔تمہارا حج بیکار تمہاری زکوٰۃ فضول۔اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے روزہ ونماز اور اعمال کی اصلاح کرنے لگیں۔ بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ برا بھلا عمل کرتے تھے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ان واعظوں کے بیان کا یہی اثر ہوتا ہے جو محض ترہیب ہی ترہیب بگھارتے ہیں اور اس کی تائید میں پرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں ۔کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا۔فلاں بزرگ نے جوتہ پہننا چھوڑ دیا تھا۔فلاں بزرگ نے تمام عمر میں اتنے جو کھائے تھے،تم کیا کرسکتے ہو۔تمہاری

کیا نماز ہے، تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے کیا شغل ہے۔
بس سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم تو ایسے ہونے سے رہے۔ اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہٰذا قصہ ختم کردو۔ کچھ بھی نہ کرو۔
خلاصہ یہ کہ مخاطبین کی رعایت کرنا نہایت ضروری اور لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں۔ کہ جب بیان ہو تو ترہیب ہی کا ہو۔ جیسے آج کل کے واعظین (ومبلغین) کی عادت ہے۔ (وعظ کساء النساء ملحقہ التبلیغ: ص ۱۹۱ / ج ۷)

عورتوں کے مجمع میں وعظ و تبلیغ کرنے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اس سے بچئے

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی دوزخی کہا جائے گا تو دو خرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی مگر دل بجھا ہوا رہے گا حتی کہ مایوسی ہو جائے گی اور خدائے تعالیٰ سے مایوسی کفر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر بیٹھتے تو ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس سے ایک مؤمن کو کافر یا قریب کفر بنا دیا۔ اس کا دل شکستہ کر دیا۔ حتی کہ وہ بے چاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگتی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے، کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں؟ کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں؟ روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں۔ غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اگر ان کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے۔ تو کیا مردوں کے سب اعمال باکار ہیں اور حقیقت پر نظر کی جائے

توعمل تو سب ہی کے بیکار ہیں ۔حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے اعمال کو باکار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بیکار۔ اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے بیکار اعمال قبول ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے تو دوسرے کو کیوں نہیں ہو سکتی؟

اول تو نجات کا اصلی مدار رحمت پر ہے مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں ،عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں ،سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے، واعظوں کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے ،کہ ہمارے اعمال بالکل نکمے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ بھی نہیں ،جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں ،میں کہتا ہوں کہ یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے۔

نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے۔تمہاری نماز لنگڑی، لنجی کیسی بھی سہی اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔

عورتو! ہمت نہ ہارو ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو۔حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہو گئی جب تم کو نماز کی توفیق دے رہا تھا۔(التبلیغ: ص ۲۴ ،ج ۷)

اصلاحی تنقید کا استقبال کیجئے

اگر ہم کوئی موضوع حدیث کو بیان کر رہے تھے ،اور جاننے والا ہم کو غلطی پر

مطلع کررہا ہے تو ہمارا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ اس کی بات کی طرف توجہ دیں، پھر اگر اس کی تنقید میں صحت وسچائی کے آثار دکھے، اور بتانے والا اس کی صحیح دلیل بھی دیتا ہو یا معتبر حوالہ دیتا ہو تو اس کو تسلیم کرلینا چاہیئے، قرآن ایسے لوگوں کی تعریف میں کہتا ہے: {الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه} (الزمر ۱۸)

کانوں میں انگلیاں ڈال دینا یا دل پر پردہ ڈال دینا اور مصلح اور ناقد کی بات کی طرف توجہ نہ کرنا اپنا ہی نقصان ہے۔

اگر صحابہ کرام کی اتباع کو ہم اپنی قسمت سمجھتے ہیں اور ان کی ہر ادا کو لائق اتباع سمجھتے ہیں تو سن لینا چاہئے کہ صحابہ کرام کسی بھی شخص کی تنقید کا شکریہ کے ساتھ استقبال کرتے تھے، خلفائے راشدین کی سیرت میں کئی مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ انہیں کسی غلطی پر متنبہ کیا گیا اور انہوں نے قبول کیا حالانکہ بسا اوقات خلفاء کے عمل میں بھی جواز کا پہلو موجود ہوتا تھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ صفت بھی ان میں تھی کہ اپنے لئے اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی ان پر تنقید کرنے سے جی چرائے، وہ اس کو خود کے لئے ظالم اور دین سے دوری کی علامت سمجھتے تھے۔ (بحوالہ موضوع احادیث سے بچیئے)

بلا دلیل کسی بات پر بضد رہنا جہالت ہے

بعض حضرات بلا وجہ ضد پر اڑ جاتے ہیں، ضد کی بنیاد صرف یہ ہوتی ہے کہ

''سارے لوگ بیان کرتے ہیں کوئی کچھ نہیں کہتا''

''فلاں کتاب میں لکھا ہے''

''فلاں عالم سے سنا ہے''

ایسی بے بنیاد باتوں پر ضد کرنا اسی شخص کا کام ہوسکتا ہے جو یا تو حق کا طلبگار نہ ہو، بس اپنی معلومات کی دنیا ہی میں رہنا چاہتا ہو یا پھر وہ شخص کر سکتا ہے جس کی آنکھوں سے حقیقت مخفی رہ گئی ہو، کیوں کہ یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ بڑے بڑے انسانوں سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، پس کسی کتاب میں آجانا یا کسی عالم کا بیان کر دینا کسی حدیث کی صحت کا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے، چنانچہ خود عاجز نے دور حاضر کے مقبول و مشہور علماء کے بیان میں ایسی حدیثوں کا تذکرہ سنا ہے جن کو محدثین نے موضوع بتایا ہے مثلا ایک ایسے عالم دین کے بیان میں یہ حدیث سنی جن کے بیانات طبع ہو کر قبولیت پا چکے ہیں، اور کیسٹوں میں بھی ان کے بیان بکتے ہیں، اور انٹرنیٹ پر کثیر تعداد میں نشر ہو رہے ہیں: لما فتح الله على نبيه خيبر اصابه من سهمه اربعة ازواج نعال و اربعة ازواج خفاف و عشرة اواق ذهب و فضة و حمار اسود الخ۔

اللہ تعالی نے میرے دادا کی پشت سے ساٹھ گدھے پیدا کیے ان سب پر صرف انبیاء نے سواری کی ہے، اب ان کی نسل میں سے میرے سوا کوئی باقی نہیں ہے، اور نہ انبیاء میں سے آپ کے سوا کوئی باقی ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرا نام یعفور رکھا، پھر آپ انے پوچھا کہ کیا گدھی کی خواہش ہے؟ اس نے کہا نہیں، حضور اس کو کسی آدمی کے دروازے پر (بلانے کے واسطے) بھیجا کرتے

، وہ دروازے کے پاس آکر سر سے دروازہ کھٹکھٹاتا، جب گھر کا مالک باہر آتا تو اشارہ کرتا کہ رسول اللہ ا کے پاس چلئے ، جب رسول اللہ ا کا انتقال ہو گیا تو بیقراری میں ابوالہیثم بن التیہان کے کنویں میں گر پڑا (مکمل روایت وترجمہ دوسرے حصے میں دیکھئے)

حالانکہ ابن جوزیؒ نے اس کو موضوع کہا ہے، اور علامہ سیوطیؒ اور ابن عراقؒ نے ان سے اتفاق کیا ہے، اور ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان سے اتفاق کیا ہے، ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ: یہ حدیث موضوع ہے، اللہ تعالی کی لعنت ہو اس حدیث کے گھڑنے والے پر، اس کا مقصد اسلام میں عیب پیدا کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ (اللآلی المصنوعہ ۱/۲۷۶، تنزیہ الشریعۃ ۱/۳۲۶)

اسی عالم صاحب نے یہ حدیث بھی بیان کی ہے:

معراج کی رات حضور اقدس ا نے اپنے رب سے ہمکلامی کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اے پرورگار! آپ نے حضرت ابراہیم ں کو خلیل بنایا، اور ان کو ملک عظیم سے نوازا، اور آپ نے موسی ں سے کلام فرمایا، اور ادریس ں کو بلند مقام عطا فرمایا، اور سلیمان ں کو ایسا ملک دیا جو ان کے بعد کسی کو میسر نہ ہوگا، اے پروردگار! آپ نے میرے لئے کیا انعام رکھا ہے؟ اللہ تعالی نے فرمایا اے محمد! جس طرح میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا تمہیں بھی خلیل بنایا، اور جس طرح موسی سے بات کی اسی طرح تم سے بھی کلام کیا، آپ کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عطا کیں ، یہ دونوں چیزیں

میرے عرش کے خزانوں میں سے تھیں، یہ میں نے کسی اور نبی کو نہیں دیں، اور میں نے آپ کو سرخ و سفید اور جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اتنی عام رسالت کے ساتھ میں نے کسی نبی کو نہیں بھیجا، آپ کے لئے مال فیئ کو حلال کر دیا، یہ پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا، اور رعب کے ذریعہ آپ کی مدد کی حتی کہ آپ کا دشمن آپ سے ایک مہینہ کی مسافت کی دوری پر بھی آپ سے ڈرتا ہے، اور میں نے آپ کو سب کتابوں سے افضل کتاب عطا کی، اور میں نے آپ کا سینہ کھول دیا، اور آپ سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور آپ کا ذکر بلند کر دیا، پس جب بھی میرا ذکر ہوگا ساتھ میں آپ کا بھی ذکر ہوگا، اور آپ کی امت کو بہترین امت بنایا جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، اور آپ کی امت کا خطبہ اس وقت تک درست قرار نہیں پائے گا جب تک کہ وہ آپ کے رسالت کی گواہی نہ دے، اور سب سے پہلے نبوت سے آپ کو نوازا اور سب سے اخیر میں مبعوث فرمایا (مکمل روایت دوسرے حصے میں دیکھئے)۔

حالانکہ اس کو بھی محدثین نے موضوع کہا ہے۔ (اللآلی المصنوعہ ۱/۷۵ ، تنزیہ الشریعۃ ۱/۱۶۵)

دوسرے ایک اسی شان کے عالم کے بیان میں بارہا اس حدیث کو سنا:

المعرفة رأس مالی والعقل اصل دینی والحبّ اساسی والشوق مرکبی وذکر الله انیسی والثقة کنزی والحزن رفیقی والعلم سلاحی والصبر ردائی والرضا غنیمتی والعجز فخری

والزهد حرفتي واليقين قُوّتِي والصدق شفيعي والطاعة حَسَبِي والجهاد خُلقي وقرّة عيني في الصّلوةِ۔

''معرفت میری اصل پونجی ہے، اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے، اور محبت میرا سرمایہ ہے، اور شوق میری سواری ہے، اور اللہ کا ذکر میرے لئے انسیت کا سامان ہے، اور اعتماد میرا خزانہ ہے، اور غم میرا ساتھی ہے، اور علم میرا ہتھیار ہے، اور صبر میری چادر ہے، اور رضا میری غنیمت ہے، اور عاجزی میرا فخر ہے، اور زہد میرا پیشہ ہے، اور یقین میری خوراک ہے، اور سچائی میرا شفیع ہے، اور طاعت میرے لئے خاندانی شرافت کے برابر ہے، اور جہاد میری عادت ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

اس کو قاضی عیاض نے شفا میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے، علامہ سیوطیؒ نے وسعت نظر اور تساہل کے باوجود اس کو موضوع کہا ہے، علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ وضع کے آثار اس میں نمایاں ہیں، اور علامہ طرابلسیؒ نے بھی بعض محدثین کے حوالے سے اس کو موضوع کہا ہے۔ (المغنی عن حمل الاسفار ۱۶۳، مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفا ۸۵، الفوائد المجموعة ۱۳، اللؤلؤ المرصوع ۱۷۰، تذکرۃ الموضوعات ۸۶)

اسی طرح مشہور کتابوں میں سے احیاء العلوم، تنبیہ الغافلین، غنیۃ الطالبین اور قاضی عیاض کی شفا وغیرہ میں بھی ایسی احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع کہا ہے، مثلاً

لا يستدير الرغيف ويوضع بين يديك حتى يعمل فيه ثلاثمائة و ستون صانعا اولهم ميكائيل التي تزجي السحاب و الشمس و القمر والافلاك و ملائكة الهواء و دواب الارض وآخرهم الخباز ''وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها''۔

روٹی گھوم پھر کر آپ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے اس میں تین سو ساٹھ خادم

کام کرتے ہیں، ان میں سب سے پہلے میکائیلؑ ہیں، جو بادلوں کو چلاتے ہیں پھر سورج، چاند، آسمان، اور ہوا کے فرشتے اور زمین کے چوپائے بھی ان خدمت گزاروں میں شامل ہیں، سب کے اخیر میں روٹی پکانے والے کی محنت لگتی ہے، اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

احیاء میں اس کو حدیث بتایا گیا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ، حافظ عراقیؒ اور عجلونیؒ نے لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (المغنی ص ۷۵۷، کشف الخفاء ۲/ ۶۲ ۴، الاسرار ا/ ۷۳)

ان مثالوں سے ہرگز کسی کی تنقیص مقصود نہیں ہے، اللہ تعالی علماء کرام اور مشائخ عظام کی ادنی بے ادبی سے بچائے، مقصود اس بات کا احساس دلانا ہے کہ غلطی سے انسان پاک نہیں ہے، جن احادیث کو محدثین نے صاف طور پر موضوع یا بے اصل کہہ دیا ہے اس کو بھی بیانوں اور کتابوں میں دیکھا گیا، معلوم ہوا کہ محض کسی کا بیان کر دینا یا لکھ دینا حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے، لہذا اس کو دلیل بنانا اور اسی بنیاد پر موضوع حدیث بیان کرتے رہنا درست نہیں ہے، بلکہ یہ تو نہ صرف یہ کہ عقل کے خلاف ہے بلکہ مشاہدہ کے بھی خلاف ہے۔

اگر ہمارے پاس حدیث کے غیر موضوع ہونے کی کوئی معتبر دلیل ہو اور ان معتبر دلیل کی بنیاد پر مصلح و ناقد کی بات کو رد کر دے تو یہ ہمارا حق ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب

اس تفصیل سے بعض لوگوں کے ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب بھی ہو گیا،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دو تین دن میں جو ہزاروں لاکھوں جانور قربانی کیے جاتے ہیں، اس کی بجائے اس کا روپیہ غرباء مساکین کو دے دیا جائے یا غریب لوگوں کی تعلیم وغیرہ میں خرچ کیا جائے ،تو یہ روپیہ فائدہ مند ہوگا ، ورنہ صرف جانور کاٹ کر کھلانے سے کیا فائدہ؟

یہ اعتراض جاہلانہ ہے کیوں کہ قربانی کا مقصد غربا کی ضروریات پورا کرنا نہیں ہے؛

بلکہ اللہ کی محبت میں ہر چیز کو قربان کرنا ، اللہ کی محبت کا مظاہرہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد تو اسی وقت حاصل ہوگا ، جب کہ اللہ کے حکم کے مطابق قربانی کی جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ ہم اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے ۔(از: مفتی شعیب اللہ خاں)

قوم کو علماء کرام سے کونسا طبقہ یا افراد کاٹتے جا رہے ہیں

امت کے اس بگاڑ وفساد کی ایک وجہ یہ ہے کہ علمائے ربانیین سے امت کا رشتہ کٹا ہوا ہے الا ماشاء اللہ؛ بلکہ امت کے اندر ایک طبقہ باقاعدہ اس کام پر لگا ہوا ہے کہ علمائے حق کو بدنام کیا جائے ، امت میں ان سے بدظنی پیدا کی جائے ،لوگوں کو ان سے کاٹا جائے اور ان کی بے وقعتی وحقارت دلوں میں پیدا کی جائے۔

اس کا نتیجہ یہی ہے کہ لوگ علماءِ حق سے کٹتے اور دور ہوتے جا رہے ہیں، ان سے بے نیازی برتی جارہی اور اعراض کیا جا رہا ہے اور نتیجتاً دین وعلم دین سے بھی کٹتے جا رہے ہیں اور عقائد کے بگاڑ واعمال کی کمزوری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

حالانکہ کہ علماء کا طبقہ ہی دراصل وہ طبقہ ہے، جس کو مآخذ شریعت کتاب وسنت کا علی وجہ الاتم والاکمل علم ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے سالہا سال کی جدو جہد کرتا اور مصائب ومسائل جھیلتا ہے، بھوک و پیاس، فقر وافلاس، سختی وشدت سب کو برداشت کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں دین وشریعت اور کتاب وسنت کے حقائق ومعارف اسرار ورموز سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور مزید یہ کہ ان کی صداقت وحقانیت، ان کی معقولیت وعالمگیریت پر کامل ایمان یقین رکھتا ہے؛ نیز زندگی بھر لوگوں کی بے التفاتی وناقدری کے باوجود امت کے اندر دین وشریعت کی حفاظت واشاعت وترویج کے لیے خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔

مگر افسوس کہ اسی طبقے کو امت کے بعض طبقات ناکارہ و بے ہودہ، غیر ضروری ولایعنی قرار دینے کی کوششوں میں اپنا اوقات صرف کرتے ہیں اور امت کو ان سے کاٹنے وتوڑنے کی مساعی کرتے ہیں۔

حالانکہ ثقہ وجانکار لوگوں نے تحقیق کی اور یہ بتایا ہے کہ اس دور میں علمائے حق کے خلاف فضا بنانے میں یہود ونصاریٰ اور اسلام دشمن طاقتوں کا ہاتھ ہے، جنھوں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ جب تک امت مسلمہ علما سے جڑی رہے گی، اس وقت تک اسلام کو زیر کرنا ممکن نہیں اور جب امت اپنے علما سے کٹ جائے گی اور ان کا کوئی سرپرست ورہبر نہ ہوگا، تو ان کو کفر وضلالت کی جس وادی میں چاہے لے جا کر گرایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ان لوگوں نے علماء کی تحقیر وتوہین، ان سے استہزاء

وتمسخر، ان سے بدظنی ولاتعلقی پر امت کے افراد کو ابھار دیا ہے؛ تاکہ آہستہ آہستہ لوگ علما سے کٹتے جائیں اور بالآخر ان دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں؛ لہٰذا امت کو اس بدترین فتنے سے واقف ہونا اور دشمنوں کی چالوں سے باخبر رہنا لازم ہے۔

قرآن وحدیث اور دینی علم سے تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھنے والا کبھی اس بات کو فراموش نہیں کرسکتا کہ علماء کے بغیر دین وعلم دین کی گاڑی کبھی چل نہیں سکتی؛ بل کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جاہل واناڑی لوگ دین وعلم کی باتیں کرکے اور فتوے دے کر گمراہی کا دروازہ کھول دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالماً اتخذ الناس رؤوساً جُهّالاً، فسُئِلوا فأفتوا بغير علم فضلوا و أضلوا (بخاری:۹۸، مسلم: ۴۸۲۸، ترمذی: ۲۶۵۲، ابن ماجہ: ۵۲، احمد: ۶۵۱۱)

(اللہ تعالیٰ اس طرح علم نہیں چھین لیتے کہ بندوں کے دلوں سے نکالیں؛ لیکن علما کو موت دے کر علم کو چھین لیتے ہیں، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ رکھیں گے، تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے اور ان سے مسئلے پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔)

یہ حدیث نبوی صاف بتارہی ہے کہ امت کو علما کی کس قدر شدید ضرورت ہے؛

تا کہ ان کا دین و ایمان محفوظ رہے اور وہ اپنی ایمانی و روحانی زندگی کا سفر بہ خیر و خوبی پورا کرسکیں۔

کیوں نہ ہو جب کہ حدیث کی شہادت یہ بھی ہے کہ حضرات علمائے کرام کو مقامِ وراثتِ انبیا حاصل ہے؛ چناں چہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من سلك طريقا يبتغي فيه علما سهل الله له طريقا إلى الجنة ، و إن الملائكة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما يصنع ، و إن العالم ليستغفر له من فى السماوات ومن فى الأرض حتى الحيتان فى الماء و فضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر الكواكب وإن العلماء ورثة الأنبياء وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا و لا درهما و إنما ورثوا العلم فمن أخذه فقد أخذ بحظ وافر »(ترمذی: ۲۶۸۲، ابن ماجہ: ۲۲۳، ابن حبان: ۱/۲۸۹، مشکل الآثار: ۳/۱۰، ابوداود: ۳۶۴۳، شرح السنۃ: ۱/۲۷۶)

جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے، جس میں وہ علم طلب کرتا ہو، تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں اور بے شک ملائکہ طالب علم کے لیے اس کے کام سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے وہ ساری مخلوقات، جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں، مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں، یہاں تک

کہ پانی میں مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی تمام ستاروں پر چاند کی فضیلت ہے اور بلا شبہ علماء انبیا کے وارث ہیں اور انبیا اپنی وراثت میں نہ دینار چھوڑ جاتے ہیں نہ درہم؛ بلکہ وہ تو علم کی وراثت چھوڑتے ہیں، پس جس نے اس علم کو لیا اس نے وافر حصہ لے لیا۔)

اس حدیث میں دیگر فضائل ومناقب کے ساتھ علماء کی ایک فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ انھیں وراثتِ انبیا کا مقام حاصل ہے۔

لہذا علمائے کرام کا وجود امت کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ نبی کا وجود، کہ نبی احکام خداوندی سناتا و سمجھاتا اور ان پر چلانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح علماء بھی یہی کام کرتے ہیں اور ان کو کرنا چاہیے۔

اور جب تک علمائے کرام سے یہ کام ہوتا رہے گا اور لوگ ان سے استفادہ کرتے رہیں گے، اس وقت تک امت دین اسلام کی شاہراہ پر قائم و دائم رہے گی، ورنہ اس سے ہٹ جائے گی اور جہلائے امت ان کو گمراہ کرنے کی ساری تدبیریں آزماتے رہیں گے، جیسا کہ آج دیکھنے کو ملتا ہے۔

چنانچہ کوئی جاہل تفسیر کر رہا ہے، کوئی محض ڈاکٹر وانجینئر بن کر حدیث وفقہ میں رائے زنی کر رہا ہے اور اسلاف وائمۂ کرام کی تردید وتغلیط کو شیوہ بنایا ہوا ہے اور لوگ ہیں کہ ان کو مان رہے ہیں اور ان کے بیان پر علماء کو ٹھکرا رہے ہیں۔

حالانکہ یہ بات ایک معمولی دماغ والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی علم کے بارے میں

رائے دینے کا حق اسی کو حاصل ہے، جس نے اس علم کے پیچھے اپنی زندگی اور جان و مال لگایا ہو اور اس کے اساتذہ و ماہرین سے ایک معتد بہ زمانے تک اس کو حاصل کیا ہو۔ اور اگر کوئی اس علم سے جاہل و بے بہرہ ہو یا از خود کچھ مطالعہ کیا ہو اور وہ میڈیکل سائنس یا کسی اور علم کے بارے میں رائے زنی کرنے لگے یا ان علوم وفنون کے ماہرین کو، جنھوں نے اپنی زندگی اس کے پیچھے لگا کر، ماہر اساتذہ سے اس کو حاصل کیا ہے، ان کو جاہل و ناواقف ٹھہرائے اور ان کی بیان کردہ تشریحات وتوضیحات کو غلط قرار دے، تو کیا کوئی عقل منداس کی بات کو قابل توجہ ولائق اعتماد سمجھ سکتا ہے؟

مگر کس قدر حیرت وافسوس کا موقعہ ہے کہ آج امت میں کچھ جاہل واناڑی لوگ، کوئی ڈاکٹر، کوئی انجینئر، کوئی پروفیسر، جنھوں نے نہ کسی معتبر اساتذہ سے قرآن وحدیث کے علوم وفنون پڑھے، نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، نہ ایک زمانے تک اس کو معتبر طریقہ سے حاصل کیا؛ بل کہ صرف اپنے ذاتی مطالعے سے یا کسی اپنے ہی جیسے جاہل سے، یا کسی اردو ترجمے کی مدد سے کچھ باتیں سیکھ لیں، وہ لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کو ہم جتنا سمجھتے ہیں، یہ علماء نہیں سمجھتے اور دین کے بارے میں جس قدر بصیرت ہم کو ہے، علماء اس سے خالی ہیں۔ اور مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی ہانک اور مجنونوں کی بڑ کو ماننے وتسلیم کرنے والے بھی موجود ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی اناڑی اس قسم کا دعوی میڈیکل سائنس کے بارے میں کرے اور آپ کو دعوت دے کہ ڈاکٹر کچھ نہیں جانتے، میں نے کسی سے پڑھا تو نہیں ہے؛ لیکن میں نے اپنے طور سے میڈیکل سائنس کا بہ غور مطالعہ کیا ہے، میرے پاس سند و سرٹیفکیٹ تو نہیں ہے؛ لیکن میں سرٹیفکیٹ والے ڈاکٹروں سے زیادہ صلاحیت و تجربہ رکھتا ہوں؛ لہذا اپنا علاج میرے سے کراؤ، تو کیا آپ اس کے لیے تیار ہوتے ہیں؟

اناڑی تو ایک طرف ذرا گریبان میں منہ ڈال کر سوچیے اور بتائیے کہ کیا اگر یہ دعوی کوئی گراجویٹ، کوئی پروفیسر، کوئی انجینئر کرے، تو آپ اس کو روا و درست سمجھتے ہیں؟ نہیں، کیوں؟ ایک تو اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ دعوے کرنے والا اس علم کا جانکار نہیں ہے، جو ڈاکٹروں کو حاصل ہے؛ لہذا ڈاکٹر جس نے اپنی زندگی اس علم کی تحصیل کے پیچھے لگائی اور اس کو حاصل کیا اور اس کے لیے محنت و مجاہدہ کیا، اس کے مقابلے میں ایک اناڑی کی بات یا اس علم سے ناواقف شخص کی بات کا کوئی اعتبار نہیں؛ لہذا اس کے دعوے کو ہم یا تو کسی غلط فہمی یا جہالت و حماقت یا تعصب پر محمول کرتے ہیں اور اس سے اپنا علاج کرانے کی حماقت کبھی نہیں کرتے۔ اور دوسرے اس لیے کہ ہمارے نزدیک جان کی بڑی اہمیت ہے؛ لہذا ہم کسی اناڑی کے دعوے کو جو ڈاکٹروں کے خلاف ہے، مان کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

اور یہ فیصلہ آپ کا بالکل برحق اور سو فی صد صحیح ہے، ایک غیر عالم خواہ وہ اپنی کسی بھی

فیلڈ کا ماہر کیوں نہ ہو، قرآن وحدیث کے علوم کا ماہر نہیں کہلا سکتا اور جب تک ایک معتد بہ زمانہ اہل علم، ماہرین قرآن وحدیث کی صحبت ومعیت میں رہ کر تحصیل نہیں کرتا، وہ عالم کا مقام نہیں حاصل کر سکتا۔ تو پھر قابل غور یہ ہے کہ دین کے بارے میں یہ اصول وسمجھ وبصیرت لوگوں سے کہاں غائب ہوگئی کہ وہ علماء کے مقابلے میں جاہل کو ترجیح دیتے اور اس کی بات کو وقعت دے کر خود کے ایمان کو ہلاکت کے حوالے کر دتے ہیں؟

لہذا امت کو اپنے علمائے حق ومشائخ ربانیین پر اعتماد ہونا چاہیے اور ان کے مقابلے میں جاہلوں اناڑیوں، ناواقفوں سے دین حاصل نہیں کرنا چاہیے کہ خود ہی جو جانتا نہیں، تو کسی کو کیا وہ رہبری کر سکتا ہے؟ (از: مفتی شعیب اللہ خاں صاحب)

طریقت میں خود رائی اور اعتراض محرومی کا باعث ہے

ایک عالم صاحب (جن کا حضرت سے اصلاحی تعلق بھی تھا) اپنے حالات کے ضمن میں تحریر فرمایا کہ حضرت کے بتلائے ہوئے ذکر برابر کرتا ہوں لیکن یہ خیال برابر رہتا ہے کہ یہ اذکار حدیث سے تو ثابت نہیں اور اس طرح منقول بھی نہیں جس طرح کرنے کا معمول ہے پھر اذکار غیر منقولہ کو منقولہ پر ترجیح کیوں دی جاتی ہے، رہی بات برکت والی تو جو برکت اذکار منقولہ میں ہوگی وہ غیر منقولہ میں نہیں ہوسکتی، لطائف ستہ وغیرہ جو کتابوں میں لکھے ہیں سب بے سود معلوم ہوتے ہیں، حضرت نے اس وقت ان کے حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل

جواب تحریر فرمایا:

عزیزم السلام علیکم

اس راہ میں تقلید ہی سے کام ہوتا ہے، خودرائی محرومی کا باعث ہوتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص سے فائدہ نہ ہورہا ہوتو جس طرف قلبی میلان ہواس سے رجوع کرلیا جائے۔ (صدیق احمد باندویؒ)

اس کے بعد حضرت کی توجہ وبرکت سے ان صاحب کے اشکالات بھی ختم ہوگئے اور ان کو تسلی ہوگئی کہ یہ بزرگوں کے مجوزہ اذکار بطور علاج کے مقرر کئے گئے ہیں ورنہ افضل اور زیادہ باعث برکت اذکار منقولہ ہی ہیں محض رسوخ اور دلجمعی ودلبستگی حاصل ہونے کی غرض سے ان کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ ذکر بسیط میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے، اور ذکر مرکب جو ماثور ہیں ان سے اس طرح کی یکسوئی نہیں ہو پاتی اس لے وقتی طور پر ایک مدت کے لئے اس کو اختیار کیا جاتا ہے جیسے حفظ کرنے والا بچہ قرآن کے ایک ہی لفظ کو دس بار رٹتا ہے محض رسوخ اور پختگی کے لئے حالانکہ اس طرح یہ بھی ماثور نہیں ہے۔ (تزکیہ نفس)

کیا عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوگا

اچھا! ایک سوال بعض لوگوں کے دلوں میں آتا ہے کہ عذابِ قبر صرف روح کو ہوگا یا جسم کو بھی ہوگا؟ روح تو نکل کر چلی گئی، صرف جسم رہ گیا تو عذابِ قبر کیا صرف جسم کو ہوگا؟ یا دونوں کو ہوگا؟ بعض لوگ اس طرح کے سوال پوچھتے ہیں، پھر پریشان بھی ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت کی جارہی ہے کہ عذابِ قبر روح مع الجسم دونوں کو ہوگا۔ روح کو بھی ہوگا

اور جسم کو بھی ہوگا۔ہاں ! اب اس کی کیا کیفیات ہیں؟ اسے یہاں سو فیصد سمجھنا ممکن بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔ایک چیز بتا دی گئی ہے تو معاملہ آسان ہو گیا، لیکن ایک مثال سے اس مسئلہ کو سمجھنا آسان ہوگا اِن شاء اللہ۔ (مفتی محمد صاحب صادق آبادی)

روح اور جسم کا تعلق

دیکھیے ! صرف روح اگر ہوتو اکیلی روح نے تو کچھ نہیں کیا، صرف جسم اگر ہو تو خالی جسم نے بھی کچھ نہیں کیا۔ روح کے بغیر تو انسان ہل بھی نہیں سکتا۔اور جو گناہ ہوا تھا وہ روح مع الجسم ہوا تھا، اکیلے نہیں ہوا تھا۔ جب دونوں نے کیا تھا تو سزا بھی دونوں کو ملنی چاہیے۔ (مفتی محمد صاحب صادق آبادی)

مذکورہ اعتراض کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک خود عبادت اور دوسرے اس کا ثواب، جہاں تک یہ مسئلہ ہے کہ عبادات میں مقصود امتحان و آزمائش ہے، یہ بذات خود عبادات کے بارے میں ہے، نہ کہ ثواب عبادات کے بارے میں ؛لہذا یہ امتحان اس زندہ شخص کے حق میں ثابت و متحقق ہے جو عبادت انجام دینے والا ہے اور رہا ثوابِ عبادت تو اس کے حق میں امتحان و آزمائش والی بات صحیح نہیں ہے ؛لہذا ایک شخص عبادت انجام دے اور اس کا ثواب دوسرے کو پہنچائے تو ثواب پانے میں امتحان کے دور سے گزرنا کیا ضروری ہے؟ ہاں اگر میت کی جانب سے نیابت کرتے ہوئے کوئی عبادت انجام دی جائے تو یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے اور اس کے بارے میں

ائمہ کے مسالک ہم نے بیان کر دئے ہیں؛ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، ایصالِ ثواب الگ چیز ہے اور نیابت دیگر چیز۔ (از: مفتی شعیب اللہ خاں صاحب)

یہودیوں کا اعتراض

مرشدی حبیب الامت نے فرمایا: مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ ہم کو سب سے زیادہ قرب اور مشابہت ہے ابراہیم علیہ السلام سے، یہودیوں نے اعتراض کیا کہ کیسے کہتے ہو یہ بات؟ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وطن اصلی (عراق) چھوڑ کر ملک شام ہجرت کی وہیں رہے اور وہیں وفات پائی، ان کی اولاد بھی وہیں رہی اور بہت سے انبیاء اسی مقدس سرزمین (شام) میں مبعوث ہوئے اور سب کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا پھر تم حجاز کے رہنے والے ہو جنھوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے اور سرزمین شام سے دور ایک طرف پڑے رہے کس منہ سے کہہ سکتے ہو کہ ابراہیم وملت ابراہیم سے تم کو زیادہ قرب ہے؟ اس آیت کریمہ میں معترضین کو بتلایا گیا کہ بیت المقدس وغیرہ مقامات مقدسہ تو بعد میں تعمیر ہوئے دنیا میں سب سے متبرک گھر جو لوگوں کی توجہ الی اللہ کیلئے مقرر کیا گیا اور بطور ایک عبادت گاہ اور نشان ہدایت کے لئے بنایا گیا وہ یہی کعبہ شریف ہے جو اس مبارک شہر مکہ معظّمہ میں واقع ہے۔ حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری باطنی، حسی ومعنوی برکات سے معمور کیا اور سارے جہاں کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے، روئے زمین پر جس کسی مکان پر برکت وعلامت پائی جاتی ہے اسی مقدس گھر کا ایک عکس اور پرتو سمجھنا چاہئے، یہیں سے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا، مناسک حج ادا کرنے کیلئے سارے جہان کو اسی کی

طرف دعوت دی۔ عالمگیر مذہب اسلام کے پیرووں کو مشرق ومغرب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اسی کے طواف کرنے والوں پر عجیب وغریب انوار وبرکات کا افاضہ فرمایا، انبیاء سابقین بھی حج ادا کرنے کیلئے نہایت شوق وذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر وباہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھیں، اسی لئے ہر زمانے میں مختلف مذاہب والے اس کی غیر معمولی تعظیم واحترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونے والے کو مامون سمجھا گیا اسکے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیم کے قدم آئے اور اس کی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلانکیر مسلم چلی آرہی ہے۔ وہ بتلاتی ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان پڑ گیا تھا جو آج تک محفوظ چلا آرہا ہے۔ گویا تاریخی روایات کے اس مقدس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے مبارک ہاتھوں سے تعمیر ہوا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ (خطبات رحیمی جلد نہم)

دنیا کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا بنایا ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اتنی بڑی جو دنیا بنائی ہے، اس میں ہر چیز کو اللہ نے بہت اچھا بنایا ہے، آسمان بنائے بہت اچھے بنائے، زمین بنائی بہت اچھی بنائی، جانور بنائے بہت اچھے بنائے، درخت بنائے، پھل فروٹ اور پتے بنائے ہر ایک

کو اچھے بنایا، غرض اس دنیا میں جتنی بھی چیزیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنائی ہے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا بنایا ہے۔

خود قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ**(پارہ ۲۱: سورۂ الم سجدہ: آیت ۷)

اللہ کی ذات وہ پاک ذات ہے جس نے تمام چیزوں کو بہت اچھا بنایا ہے، بہت بہترین اور بہت عمدہ بنایا ہے۔

میری دینی بہنو! جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہت اچھا بنایا اور خود اللہ نے قرآن میں فرما دیا ہے کہ میں نے تمام چیزوں کو بہت اچھا بنایا ہے تو پھر ہم کو کوئی حق نہیں ہے کہ اس اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کو بھی برا کہیں۔(خطبات محمود جلد 5)

اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کو برا نہیں کہنا چاہیے

اللہ کی جو نعمت بھی ہمارے ہاتھ میں آئے، ہم ہمیشہ یہ سوچیں کہ یہ میرے اللہ کی بنائی ہوئی ہے، میرے اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے اور میرے اللہ نے ہر چیز کو اچھا ہی بنایا ہے، اس لئے میرے اللہ کی بنائی ہوئی چیز بری اور خراب نہیں ہو سکتی، اس لئے کبھی کسی مخلوق کے بارے میں، اللہ کی بنآئی ہوئی چیز کے بارے میں ہمیں کوئی بری بات اپنی زبان سے نکالنی نہیں چاہیے، تم کو پسند آئے تو اس کو استعمال کرلو، فائدہ اٹھالو، پسند نہ آئے تو اس کو چھوڑ دو لیکن کبھی اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کے بارے میں کوئی غلط بات، کوئی برا لفظ اپنی زبان سے نکالنا نہیں چاہیے۔

ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان دنیا میں کوئی چیز بناتا ہے، تو اس کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے بڑی محبت ہوا کرتی ہے۔

آپ نے ایک کھانا بنایا، کوئی ڈش بنائی، آپ کو اپنی بنائی ہوئی ڈش سے، کھانے سے بڑی محبت ہوتی ہے، آپ کا دل یہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کھانے کی برائی نہ کرے، ہر ایک کو وہ کھانا پسند آئے۔

آپ جانتی ہو کہ آپ نے محنت کر کے کوئی عمدہ ڈش تیار کی اور آپ کے شوہر نے یا کسی اور نے اس کی ذرا سی برائی کر دی، کوئی کمی نکالی تو آپ کے دل میں کتنی چوٹ لگتی ہے، آپ کے دل کو کتنی تکلیف پہنچتی ہے کہ میں نے اتنی محنت کر کے بنایا اور اتنا اچھا بنایا اور یہ لوگ میری بنائی ہوئی چیز میں عیب نکالتے ہیں، اس کو برا کہتے ہیں اس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔

میری بہنو! یہ تو ہماری دنیا کی چیز کا حال ہے کہ کوئی ہماری بنائی ہوئی چیز کو برا کہہ دے، ہم کو تکلیف ہوتی ہے، اس لئے کہ ہم کو ہماری بنائی ہوئی چیز سے محبت ہے۔

اللہ نے اتنی بڑی دنیا بنائی، اتنی بڑی دنیا میں بے شمار مخلوق اللہ نے بنائی، اللہ کو اپنی ہر ہر مخلوق کے ساتھ بہت پیار ہے، اللہ کو بہت محبت ہے، جانوروں سے بھی محبت ہے، درختوں سے بھی محبت ہے، پانی سے بھی محبت ہے، آسمان سے بھی محبت ہے، زمین سے بھی محبت ہے، ہر چیز سے اللہ کو محبت ہے۔

اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے:

قال قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم الخلق عیال اللہ فأحبّ الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ او کما قال علیہ الصلّوٰۃ والسّلام (مشکوٰۃ شریف ۲/۴۲۵)

سبحان اللہ۔۔۔۔حدیث شریف کے کتنے پیارے الفاظ ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: زمین میں، آسمان میں، سمندر میں، جنگلوں میں، پہاڑوں میں، ہواؤں میں، جتنی بھی چیزیں ہیں جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی فیمیلی ہے، اللہ تعالیٰ کا خاندان ہے۔

سبحان اللہ۔۔۔۔اللہ ہر چیز کو اپنی فیملی بتلا رہے ہیں الخلق عیال اللہ پھر آگے فرمایا: اللہ کی نظر میں وہ بندہ، وہ بندی بہت اچھے ہیں جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اچھا سلوک کرے: فاحبّ الخلق الی اللہ من احسن الی عَیالہ۔

سوچو۔۔۔۔میری دینی بہنو! آج ہمارے ہاتھ میں اللہ کی کوئی نعمت اتی ہے، کوئی فروٹ آیا، کوئی پھل آیا، کوئی کھانے کی چیز آئی، کوئی کپڑا آیا، کوئی پہننے کی چیز آئی، اگر ہم کو پسند نہیں آتی ہے تو ہم نفرت کر کے نفرت کے ساتھ اس کو پھینک دیتے ہیں، اس کے لئے بری بات زبان سے نکالتے ہیں۔

سوچ لو۔۔۔جب ہماری بنائی ہوئی کھانے کی کسی چیز کو کوئی برا کہہ دے ہم کو کتنی تکلیف ہوتی ہے تو اللہ تعای کی بنائی ہوئی چیز کو اگر ہم نے برا کہا، اس کے ساتھ نفرت کی تو اللہ کو کتنی تکلیف ہوگی اور اللہ کتنے ناراض ہوں گے، سوچنے کا مقام ہے؛ اس لئے یہ بات ہمیشہ دل میں رکھ لو کہ اللہ کی بنائی ہوئی کسی بھی چیز کے بارے میں ہمیں نفرت

نہیں کرنی ہے، اس کو برانہیں کہنا ہے، اگر پسند آئے ہماری طبیعت کے موافق ہے استعمال کرلو، طبیعت کے موافق نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دو لیکن نفرت کبھی مت کرنا اور کبھی اس کو برا بھی مت کہنا۔ (خطبات محمود جلد 5)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا

یہ انسان اللہ کا اتنا پیارا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اب اللہ کے ہاتھ کیسے؟ ہماری سمجھ میں انے والی چیز نہیں ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (پارہ ۲۵: سورۂ شوری: آیت ۱۱)

انسان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح ڈالی

سوچو۔۔۔میری دینی بہنو! اس انسان سے اللہ کو کتنا پیار ہوگا کہ پہلے انسان کو اللہ اپنے ہاتھ سے بنا رہے ہیں، اپنے ہاتھ سے پیدا کر رہے ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں: وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (پارہ ۲۳/سورۂ ص/آیت ۷۲)

جب حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، تو اللہ نے اپنی روح حضرت آدم علیہ السلام میں ڈال دی، ''اپنی روح'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں نے اپنی روح آدم میں ڈالی۔ یعنی انسان میں، ڈالی جانے والی روح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی۔

سوچو۔۔۔دینی بہنو! یہ انسان سراپا نسیان، سراپا گنہگار، سر سے لیکر پیر تک

نافرمانی کرنے والا، لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں کتنا پیارا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب سے اچھا بنا رہے ہیں، اپنے ہاتھ سے بنا رہے ہیں اور اپنی روح کو انسان میں ڈال رہے ہیں، انسان کے ساتھ اللہ کو کتنا پیار ہے۔

ہر مخلوق کی اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر و قیمت ہے

ایک اللہ تعالیٰ کے بندہ نے کتنی اچھی بات بتلائی کہ: دنیا کا کوئی بھی انسان، کوئی بھی چیز چاہے ہماری نظر میں وہ کیسی ہی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ بہت ہی قیمتی ہے، اس کے قیمتی ہونے کے لئے یہ بات بہت بڑی ہے کہ اس چیز کو پیدا کرتے وقت، اس چیز کو بناتے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف توجہ فرمائی، بس اللہ تعالیٰ کا اس کی طرف توجہ فرمانا، یہ اس چیز کے قیمتی ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے، پھر ہم کون ہوتے ہیں جو اس چیز کو بے کار، بے فائدہ سمجھیں، اسی لئے کسی چیز کو حقیر، نیچا نہیں سمجھنا چاہیے۔ (خطبات محمود جلد 5)

کبھی کسی انسان کو برا نہیں کہنا چاہئے

کبھی کسی انسان کو برا مت کہنا، کبھی کسی انسان کو برا مت سمجھنا، یہ سمجھنا کہ دنیا کا ہر ہر انسان اللہ کا سب سے زیادہ پیارا ہے، اللہ کا سب سے زیادہ چہیتا ہے، اللہ کا سب سے زیادہ لاڈلا ہے، اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر میں اس کو برا کہوں یا برا سمجھوں تو میرے اللہ ناراض ہو جائیں گے، کوئی کالا آدمی ہے، کوئی کالی عورت ہے، اس کو بھی برا مت سمجھنا، اس لئے کہ اس کالے کو بھی بنانے والے میرے اللہ ہیں اور وہ بھی میرے اللہ کا پیارا ہے۔ (خطبات محمود جلد 5)

گناہوں سے نفرت کرو، گنہگار سے نہیں

کوئی گنہگار ہو کوئی برائی میں پھنسا ہوا ہو، کوئی اللہ کی نافرمانی کرتا ہو تو بھی میری دینی بہنو! اس انسان سے اس گنہگار عورت سے اس گنہگار مرد سے کبھی نفرت مت کرنا، ہاں۔۔۔ گناہ سے نفرت کرو گنہگار سے کبھی نفرت مت کرنا اس لئے کہ وہ گنہگار مرد، گنہگار عورت اس کو بھی بنانے والے میرے اللہ ہیں اور اللہ کو انسان سے بڑی محبت ہے، اگر نفرت کی اور نفرت میں اس کو برا بھلا کہا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناراض ہو جائیں گے کہ تو کون ہوتا ہے، میرے بندہ کو برا کہنے والا، اس سے نفرت کرنے والا؛ اس لئے ہمیشہ اس بات کو اپنے دھیان میں رکھو کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور تمام مخلوق میں انسان اللہ کی نظر میں بہت محبوب ہے، بہت ہی پیارا ہے اس لئے ہمیں ہر ایک کے ساتھ اچھائی سے رہنا چاہئے۔ (خطبات محمود جلد 5)

کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے

اس لئے راستہ میں چلتے ہوئے کسی فقیر کو، کسی بھکاری کو، کسی سائل کو کسی مانگنے والے کو کبھی معمولی مت سمجھنا، کبھی حقیر مت سمجھنا، پتہ نہیں اللہ کے یہاں اس کا کیسا مقام ہو؟ کیسا درجہ ہو؟

دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھی پر کوئی نہ کوئی ولی رہتا ہے

مشہور ہے کہ دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھی پر ہر دور میں کوئی نہ کوئی اللہ تعالیٰ کا

ولی، جو اپنے زمانہ کے قطب وابدال میں سے ہوتا ہے لیکن ظاہرا فقیر کی شکل میں ہوتا ہے، وہ رہا کرتا ہے۔ (از: تقی عثمانی)

اللہ تعالیٰ کو انسان کی بد بو سے بھی محبت ہے

دیکھئے! رمضان کا مبارک مہینہ چل رہا ہے، اللہ ہمارے روزوں کو قبول فرمائے، میری دینی بہنو! آپ سب اس بات کو سمجھتی ہیں کہ آپ کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے، اس بچہ نے پاخانہ کر دیا، پیشاب کر دیا، اس کی نیپی میں سے، کپڑوں میں سے بد بو نکل رہی ہے، خراب خراب بد بو نکل رہی ہے، تو ماں فوراً اس بچہ کو دھو کر کے صاف کر دیتی ہے، ایک ماں کو اپنے معصوم بچہ سے پیار ہے، محبت ہے لیکن ماں اپنے بچہ کی بد بو سے محبت نہیں کرتی، فوراً اس کی نیپی (کپڑے) بدل دیتی ہے، بچہ کو دھو ڈالے گی اور اس کو نئی نیپی، نئے کپڑے پہنائے گی، اس کو پاوڈر لگائے گی، کریم لگائے گی، لیکن اللہ پاک کی قسم میری ماں بہنو! اللہ کو ہم سے ایسی محبت ہے کہ ہمارے منہ میں سے جو بد بو نکلتی ہے اللہ کو اس سے پیار اور محبت ہے حدیث میں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ تعالیٰ من ریح مسك۔ (بخاری شریف حدیث شریف ۱۷۶۱)

ایک روزہ دار چاہے مرد ہو یا عورت ہو اس کے منہ میں سے جو بد بو نکلتی ہے اللہ کی نظر میں وہ بد بو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہے، مشک اتنی قیمتی چیز، اتنی خوشبو والی چیز، لیکن اللہ کی نظر میں ایک روزہ دار کے منہ میں سے جو بد بو نکلتی ہے وہ بد بو اللہ کو بہت پیاری ہے، اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

ہمارے خون سے بھی اللہ تعالیٰ کو محبت ہے

یہ جو ہمارے بدن سے خون نکلتا ہے کتنی گندی چیز ہے، قرآن میں اس کو فرمایا:

اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِیْرٍ (پارہ ۸ سورۂ انعام آیت ۱۴۵)

بدن سے بہنے والا خون اور یہ خنزیر کا گوشت یہ ناپاک ہیں، اللہ نے اس خون کو ناپاک فرمایا، بدن پر لگ جائے دھونا ضروری، پاک کرنا ضروری، یہ خون ناپاک ہے۔

لیکن میری دینی بہنو! کوئی اللہ کا بندہ یا اللہ کی کوئی بندی اللہ کے دین کے خاطر اپنا خون بہا دے، یعنی شہید ہو جاوے، اور اس کے کپڑے پر خون لگ جائے تو ہم کو حکم دیا گیا کہ اس کے کپڑے پر خون رہنے دو اور اسی خون کے ساتھ اس کو قبر میں لے جا کر کے دفن کر دو، اس کو غسل بھی مت دو اس کو نیا کفن بھی مت پہناؤ، بغیر غسل کے بغیر کفن کے خون والے کپڑے کے ساتھ اس کو لے جا کر کے قبر میں دفن کر دو۔

یہ ناپاک خون جو اللہ تعالیٰ کے لئے نکلا وہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہے کہ اس کے بدلہ میں جب کل قیامت کے میدان میں وہ بندہ یا بندی قبر سے نکل کر محشر کے میدان میں آئیں گے تو ان کے خون میں سے خوشبو نکل رہی ہوگی، خوشبو پھیلتی ہوگی۔ سبحان اللہ! ایک ناپاک خون ایک ناپاک چیز لیکن اللہ کے واسطے وہ ناپاک خون نکلا، اللہ کو اتنا پسند آیا، اتنا پیارا ہوا کہ فرمایا اس کو مت دھوؤ، وہ خون والے کپڑوں کو مت بدلو، اسی کے ساتھ اس کو قبر میں سلا دو، قیامت کے دن یہ بندہ یا بندی آئیں گے اور ان کے بدن پر جو خون کے دھبے ہیں، وہاں سے خوشبو نکلتی ہوگی۔ کتنا پیار ہے اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ کیسا انوکھا پیار ہے۔ (از: تقی عثمانی)

انسان کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو پیار ہے

ہم قربانی کرتے ہیں، جانور کو ذبح کرتے ہیں، گائے، بکرا، اونٹ قربانی میں ذبح کرتے ہیں، اس کے گلے میں سے جو خون نکلتا ہے اس خون سے ہم کو کتنی نفرت ہے کہ گوشت پر لگ جائے تو اس گوشت کو ہم دھو کر کے کھاتے ہیں، بغیر دھوئے ہوئے نہیں کھاتے، وہ خون چھری پر لگ جائے ہم اس چھری کو دھو کر کے پاک کر لیتے ہیں، قربانی کے جانور کا خون اگر کپڑے پر لگ جائے تو ہم ان کپڑوں کو دھو دیتے ہیں، اس خون کو ہم زمین میں گڑھا خود کر دفن کر دیتے ہیں، میری دینی بہنو! جس خون سے ہم کو نفرت ہے، حدیث میں فرمایا: جب قربانی کا جانور ذبح ہوتا ہے تو پہلے قطرے پر قربانی کرنے والے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اب دیکھئے! قربانی کے ایک خون کے قطرے پر اللہ تعالیٰ انسان کی مغفرت فرما دیتے ہیں، حالانکہ اسی خون سے انسان بچتا ہے، اب یہ اس کے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وانّ الدّم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الأرض فطیبوا بھا نفسا او کما قال علیہ الصلوۃ السلام ۔(ترمذی شریف ۱۴۱۳)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہاری قربانی کے جانور کا خون اللہ کے پاس، بالکل نزدیک گرتا ہے اللہ اس کو فوراً قبول کر لیتے ہیں تم کو یہ نظر آتا ہے کہ وہ زمین پر گرا لیکن زمین پر گرنے سے پہلے وہ اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اللہ!!! سبحان اللہ!!!

جس خون سے انسان نفرت کرے، اللہ تعالیٰ اس خون کو قبول کر لیتے ہیں، انسان سے اور انسان کے اعمال سے اللہ کو کتنا پیار ہے۔

انسان زبان کی کڑوی بات کبھی نہیں بھولتا

ہم دنیا میں کسی کو کوئی بری بات کبھی کہہ دیں، کسی کو گالی دے دیں، کسی کو کوئی غلط جملہ کہہ دیں تو سامنے والا اس کو یاد رکھتا ہے وہ کبھی نہیں بھولتا ''یہ زبان کی بولی ہوئی بات تلوار کے زخم سے بھی زیادہ خطرناک ہے'' کسی کو چھری ماردو، تلوار ماردو ، کچھ زمانہ گذرے گا، زخم اچھا ہو جائے گا، دوا کرواد وا چھا ہو جائے گا، لیکن کسی کو کڑوی بات بول دی، بری بات بول دی وہ جو زخم دل پر لگتا ہے کوئی بھولتا نہیں ہے اس کو یاد رکھتا ہے، پچیس تیس سال گذرنے کے بعد بھی موقعہ آئے گا، ٹائم آئے گا آپ کہہ کر کے سنا دو گے ''یاد ہے تو نے ایک دن مجھے یہ بات کہی تھی'' ہم Chance (موقع) آنے پر اس کو کہہ دیتے ہیں کہ اے بہن تو آج مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی ہے تجھے یاد ہے بیس سال پہلے پچیس سال پہلے تو نے مجھے کتنی خراب بات کہی تھی، کڑوی بات کہی تھی، بری بات کہی تھی۔

معافی کے بعد ہماری گندی سے گندی بات کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتے ہیں

یہ ہمارا مزاج ہے، یہ ہماری حالت ہے، کوئی بری بات کہہ دے ہم کبھی نہیں بھولتے؛ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اللہ رحمٰن ورحیم کیسے ہم سے محبت کرنے والے کہ ہم نے کوئی گناہ کی بات بولی، شرک کرلیا، کفر کرلیا۔ اللہ اللہ!!! شرک اور کفر اس سے زیادہ گندی اور بری بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی، اللہ کے ساتھ کوئی شرک کرے، اللہ کے ساتھ کفر کرے، کفر اور شرک جیسی بات؛ لیکن جب ایک بندہ یا بندی سچے دل سے توبہ

کر لے اور آنسو بہادے اللہ اس کو ایسا معاف کر دیتے ہیں کہ پھر وہ اللہ کبھی اپنے بندہ یا بندی کو طعنہ نہیں دیتے کہ میرے بندے تو نے میرے ساتھ شرک کیا تھا، تو نے کفر کیا تھا، تو نے میری شان میں گستاخی کی تھی، تو نے مجھے بری بات بولی تھی۔

اللہ کیسے مہربان کہ گندی سے گندی بات بولو، کفر کی بات بولو، شرک کی بات بولو؛ پھر اس اللہ سے ایک مرتبہ معافی مانگ لو، اللہ تعالیٰ پھر کبھی اس بات پر انسان کو طعنہ نہیں دیں گے، ہمیشہ کے لئے اللہ اس بات کو مٹا دیں گے، ہمیشہ کے لئے اس بات کو اللہ ختم کر دیں گے۔ کیسی نرالی محبت ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہمارے ساتھ بلکہ ہمارے گندے اعمال کو ہم دیکھیں ہم اپنی گندگیوں کو دیکھیں ہم اپنے گندے گندے کالے کالے کرتوت اور برائیوں کو دیکھیں کہ ایک انسان جب گناہ کرتا ہے، برائی کا کام کرتا ہے تو دنیا کے اندر لوگ اس کو یاد رکھتے ہیں کہ ہاں تو نے میرا گھر توڑ دیا تھا، تو نے میری کار کے شیشہ کو، گلاس کو توڑ دیا تھا، تو نے میرے برتن کو چوری کر لیا تھا، گم کر دیا تھا انسان برسوں برس کے بعد بھی یاد رکھتا ہے۔ (خطبات محمود جلد 5)

ایک معترض کو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ جواب

ایک شخص نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ بمبئی میں حج کیوں نہیں ہوتا، مکہ میں کیوں ہوتا ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کی ناک سامنے کیوں ہے، پیچھے کیوں نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ اگر ناک پیچھے ہوتی تو چہرہ بُرا لگتا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بُرا تو جب لگتا کہ جب ایک آدمی کی ناک پیچھے ہوتی، اور جب سب کی ناک اللہ میاں پیچھے کرتے تو

ہر آدمی سمجھتا کہ انسان ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔اب وہ خاموش ہو گئے۔بس جواب ہو گیا کہ اللہ مالک ہے، جہاں چاہے اپنا گھر بنادے۔(اہل اللہ کی شان استغناء)

بہشتی زیور پر معترض کا الزامی جواب

فرمایا ایک مرتبہ میں سہارنپور گیا۔مدرسہ میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب پرانی فیشن کے بغل میں ایک کتاب دبائے تشریف لا رہے ہیں۔میں دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ بہشتی زیور پر کچھ اعتراض کریں گے اس زمانہ میں اسکا چرچا تھا۔آکر بیٹھے السلام علیکم وعلیکم السلام کہنے لگے مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے۔میں نے کہا۔فرمایئے۔بہشتی زیور کا ایک مسئلہ نکال کر سامنے رکھدیا کہ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔میں نے کہا۔اس مسئلہ کے سوا جتنے مسائل ہیں آپ کو سب کی وجہ معلوم ہے یا بعض کی معلوم نہیں۔اگر سب کی معلوم ہے تو میں آپ کا امتحان لیتا ہوں۔اور اگر بعض کی معلوم نہیں تو اس مسئلہ کو بھی ان ہی بعض کے ساتھ ملا لیا جائے۔بس کھوئے گئے اور مبہوت ہو کر رہ گئے۔دیر تک سوچتے رہے مگر کچھ جواب نہ تھا۔بس کتاب اٹھائی اور چپ چاپ اپنا سا منہ لے کر چلے گئے معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بہت دیر تک الجھ چکے تھے۔مولانا اپنے اخلاق کی وجہ سے انکو مسائل سمجھا رہے تھے۔مگر سمجھتا کون۔اتنی لیاقت بھی۔۔۔۔مولانا کو دق کر دیا تھا۔اور ان کی دلیری بڑھتی جاتی تھی کہ ہمارے ایسے سوال ہیں کہ ان کا حل اب علماء سے بھی نہیں ہوتا۔میں جو آ گیا تو کسی نے کہا تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔خود کتاب والے ہی آ گئے ان سے پوچھو۔یہاں آ کر

یہ ان کی گت بنی۔ مولانا تعجب سے فرمانے لگے کہ تم نے تو منٹ بھر ہی میں ان کی بحث کو ختم کر دیا۔ (ملفوظات حکیم الامتؒ)

علماء کے ساتھ جاہلانہ ہمدردی کا الزامی جواب

پھر تھوڑی دیر میں ایک صاحب نئی فیشن کے در آمد ہوئے۔ اسی مسئلہ کی نسبت فرمانے لگے کہ جہلاء جو علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان سے دل دکھتا ہے۔ ہم ایک مجمع کر دیں آپ اس مسئلہ کی وجہ بیان کر دیجئے۔ میں نے کہا آپ کو علماء سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ صرف علماء ہی کی شان میں گستاخیاں ہو رہی ہیں یا ان سے بڑھ کر ائمہ کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر صحابہ کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر خدا تعالی کی شان میں بھی اور بقاعدہ الاہم فالاہم آپ نے ان سب گستاخیوں کا کیا انسداد کیا ہے۔ جو آپ ہم سے علماء کے متعلق ایسی درخواست کرتے ہیں۔ آپ ان کا پہلے انتظام کیجئے پھر میں ان کا انتظام کر دوں گا۔ کہا یہ اگر نہ بھی ہو تو تب بھی علماء پر سے ہی اعتراض اٹھ جائیں تو کیا برا ہے۔ یہ کچھ مضر تو نہیں۔ میں نے کہا یہ امر ہے یا مشورہ اگر امر ہے تو آپ کو میرے اوپر کوئی حق امر کرنے کا نہیں ہے۔ اور اگر مشورہ ہے تو میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ آپ اپنا حق ادا کر چکے۔ اب آگے میری توفیق تشریف لیجائیے بات یہ ہے کہ آجکل کے اس قسم کے سوالات تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ صرف ایک مشغلہ ہے۔ اور علماء کے ساتھ تمسخر کرنا ہے تو کیا ضرورت ہے علماء ان کا کھلونا بنیں ان کا منہ جواب الزامی سے بند کرنا چاہیئے۔ (ملفوظات حکیم الامتؒ)

دین میں سختی کرنا نادانی ہے، سفر میں ارکان نماز ادا نہ ہوں تب بھی پڑھ لے بعد میں مگر لوٹا لے

یہ گنجائش اس واسطے دی گئ ہے کہ تشدد کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ نماز قضاء کریں گے نماز کی ضرورت سے ترک ریل تو کوئی کریگا نہیں ترک صلوۃ ہی کریں گے۔ سفر کی نماز میں تشدد نہ چاہئے۔ سفر میں جو کوئی فرض بھی ادا کرے تو بڑی ہمت ہے۔
ریل کے سفر میں لوگ کہتے ہیں کہ بڑی آسانی ہے مگر پابندی کرنے والوں سے پوچھئے۔ بعض ایسی دقت ہو جاتی ہے کہ فرض کا ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے میرا تو قول یہ ہے کہ نادانی ہے سختی کرنا دین کے اندر اور قاعدہ کلیہ مسئلہ مذکور کے متعلق یہ ہے کہ اگر حبس من العباد کی وجہ سے ارکان نماز نہ ہو سکیں تو جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے۔ مگر اس کا اعادہ واجب ہے اور حبس من العباد مانع ارکان نہ ہو تو نماز ہو جائے گی اور اعادہ بھی واجب نہ ہو گا (مثلاً کسی نے ظلماً کسی کو ستون سے باندھ دیا۔ اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اسی طرح نیت نماز کی کر کے جو ارکان ادا ہو سکے مثلاً قراءت وغیرہ ادا کرے اور بعد میں قضاء واجب ہو گی۔ اور اگر مرض کی وجہ سے وہ ارکان ادا نہیں کر سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے اور قضاء واجب نہ ہو گی۔ کیونکہ اول صورت میں مانع از جانب بندہ ہے اور دوسری صورت میں از جانب صاحب حق۔ فرمایا انقلاب جبلت ناممکن ہے ہاں انسان ضبط کر سکتا ہے اور اسکا مکلف ہے (مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی طبیعت میں مثلاً حرص مال خلقۃ رکھی گئی ہے تو یہ ناممکن ہے کہ حرص مال اس کی طبیعت میں نہ رہے۔ ہاں یہ اختیاری ہے کہ اس کو مرتبہ فعل میں نہ آنے دے اور کوئی فعل ناجائز نہ

کرے)اور چند روز بطور مجاہدہ کرنے سے اس میں سہولت ہو جاتی ہے۔مجاہدہ کا خاصہ لازمہ سہولت ہے۔اور اس سے بتکلف بچنے سے اجر ملتا ہے۔اور عادت بھی کبھی طبیعت اور جبلت بن جاتی ہے اس کا چھوٹنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ایک چور کا قصہ ہے کہ اس نے ایک بزرگ سے بیعت کی اور چوری سے توبہ کی ۔مگر جب مسجد میں آتا تو دل میں گدگدی اٹھتی کہ جوتے چرانے چاہئے ۔مگر دل مار کر رہ جاتا ۔اور یہ کرتا کہ جوتے گڑ بڑ کر دیتا ۔ادھر کے ادھر،ادھر کے ادھر کسی نے کہا یہ کیا حرکت ہے ۔تو کہا چور چوری سے گیا ہیرا پھیری سے تو نہ جائے ۔اس پر پوچھا گیا کہ کیا چوری اخلاق میں سے ہے فرمایا نہیں ۔ بلکہ از جنس افعال ہے ہاں منشاء اس کا یعنی حرص از جنس اخلاق ہے۔اور یہ خلق سب میں کچھ نہ کچھ ہے ضرور بالضرور الا ماشاء اللہ اور کیوں نہ ہو حق تعالی نے خبر دی ہے ۔زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة الآیۃ آیت میں ثابت ہے کہ حرص انسان کی خلقت میں داخل ہے۔ہاں کسی میں متعلق بالمال ہے اور کسی میں بالنساء وغیرہ وغیرہ تو اس سے مستثنی تو کوئی آدمی بھی نہیں ہوسکتا۔ ہاں کمی وبیشی کا فرق ہوسکتا ہے ۔اور یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے اختیار سے کوئی اس کو بیجا موقعوں سے روکے رکھے اور یہ امر اختیاری ہے اور اختیار پر مدار تکلیف کا ہے اور حرص کو داخل طبیعت کرنے میں مصلحتیں ہیں کیونکہ اگر مال کی طرف اور دیگر ضروریات کی طرف میلان نہ ہوتا تو اس کا اکتساب کیسے ہوتا تھوڑی حرص کی بھی ضرورت ہے اور بخل کی بھی اور ان کے اضداد کی بھی ۔ (ملفوظات حکیم الامتؒ)

معترض کو جواب دینا مفید نہیں بلکہ خاموشی بہتر ہے

فرمایا: معاند کو جواب دینا مفید نہیں بلکہ خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو صبر کب آتا ہے

جوش اٹھتا ہے بقول مولانا یعقوبؒ صاحب آج کل کے مولوی فوجیوں سے کم نہیں وہ پلٹن سے لڑتے ہیں یہ کتاب اور رسالہ سے۔ جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہئے کہ جاؤ تم یونہی سمجھو البتہ جو سمجھنا چاہے اس کو سمجھا سکتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ)

غیر ضروری تحقیقات میں پڑنے سے پرہیز کریں

یہ عادت کہ غیر ضروری چیزوں سے جن میں غیر ضروری سوال بھی آ گیا اجتناب رکھو، اسلام کی خوبی میں سے ہے، حدیث شریف میں ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ۔ (الافاضات ص ۱۲۷)

بعض لوگوں کو تحقیقات کا بہت شوق ہوتا ہے وقت بیکار کھوتے ہیں کام میں لگنا چاہئے محض تحقیقات سے کیا ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ تحقیقات سے فن کی تدوین ہو جائے گی مگر نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ (الافاضات الیومیہ ۹۵ ج ۲)

ایک صاحب نے تعجب سے سوال کیا کہ حضرت! سنا ہے کہ مرغا فرشتوں کو دیکھ کر بولتا ہے کیا فرشتے اس کو مکشوف ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں پھر فرمایا یہ تحقیق تو ہو گئی اور وہ مرغا جس وجہ سے بھی بولتا ہو مگر میں پہلے آپ کے اس بولنے کی وجہ پوچھتا ہوں کہ آپ کو بیٹھے بٹھلائے کیا نظر آیا جو آپ ایک غیر ضروری سوال کرنے چلے، کیا خاموش بیٹھا رہنا آپ کے نزدیک گناہ ہے؟۔ (االافاضات الیومیہ ۱۴ ج ۲)

جنگ وجدل کرنا اس کا کام ہے جس کو فرصت ہو اور بیکار ہو

ایک دفعہ حضرت حکیم الامتؒ کے ایک تصحیح کردہ فتویٰ پر کہیں سے کچھ

اعتراضات لکھے ہوئے آئے تھے میں نے اس کا جواب لکھنا چاہا، مولانا نے فرمایا کہ اس کا جواب مت لکھنا صرف یہ لکھ دو کہ اس کا جواب تو ہے مگر ہم مرغان جنگی نہیں ہیں کہ سوال و جواب کا سلسلہ دراز کریں، بس اس جواب کا حق ایک دفعہ ادا ہو گیا تھا، اور یہ لکھ دو اگر اطمینان نہ ہو تو ''فَوقَ کُلِّ ذِیْ عِلمٍ عَلِیم''، دوسری جگہ دریافت کرلو، جنگ و جدل سے معاف کرو، مولانا کی بات اس وقت تو سمجھ میں نہ آئی تھی مگر اب اس کی قدر معلوم ہوتی ہے جنگ و جدل کرنا اس کا کام ہے جس کو فرصت ہو اور بیکار ہو۔

اس کی مثال ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کی داڑھی میں سفید بال تھے جب حجام خط بنانے بیٹھا تو کہنے لگے کہ سفید بال چن دو۔

نائی نے ساری داڑھی صاف کردی اور کہا کہ تم خود چن لو مجھ کو فرصت نہیں، کام کا آدمی بکھیڑوں سے اس طرح گھبراتا ہے ہاں شرعی ضرورت ہو تو اور بات ہے، جو سمجھنا چاہئے اس کو سمجھا سکتے ہیں اعتراض کا تو کوئی جواب نہیں۔ (حسن العزیز ۱/۵۴۵)

اپنے جہل کو چھپانے کے لئے خواہ مخواہ بات نہ بنائے

ایک معقولی طالب علم سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ گلہری کنویں میں گر گئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ طالب علم صاحب کو مسئلہ تو معلوم نہ تھا مگر جہل کا اقرار کیسے کریں، آپ نے معقولی تشقیقات شروع کیں کہ وہ جو گری ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو کسی نے گرائی ہے یا خود گری ہے، آہستہ گری ہے یا زور سے، پھر یہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو کسی آدمی نے گرائی ہے یا جانور نے، یا ڈر کے خود گری ہے تو ان شقوں میں سے کون سی صورت واقع ہوئی ہے؟

بس اس طرح ان کا جہل چھپ گیا، آج کل ایسی ہی ذہانت اور تیزی کمال سمجھی جاتی ہے۔

ایک حکایت مولانا گنگوہیؒ نے ایک جاہل مفتی کی بیان کی تھی، ان کو عاجز کرنے کی غرض سے کسی نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ حاملہ عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے؟ یہ بڑے بکھیڑے کا اور تفصیل طلب مسئلہ ہے، انہوں نے اخفاء جہل کے لئے کیسا مزہ کا جواب دیا کہ ایسا ہے جیسے گھیرا دیدیا، دریافت کیا کیسا گھیرا؟ کہا کہ یہی گھیرا جس کو گھیرا کہتے ہیں، چند بار کے سوال پر بھی یہی جواب دیتے رہے، ایسا گھیرا دیا کہ خود بھی اس سے نہ نکلے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۲۶ ج ۲ قسط ۳)

وعظ وتقریر میں مسائل نہیں بیان کرنا چاہئے

پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے صرف ترغیب وترہیب پر اکتفاء کرتے ہیں اپنے بزرگوں پر بھی یہی شبہ تھا لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں بالخصوص اس زمانے میں جب کہ بدفہمی کا بازار گرم ہے مگر ترغیب دینا مناسب ہے ترغیب ہی دینا چاہئے، یہ تجربہ مجھ کو لکھنؤ کے ایک وعظ سے ہوا، میں نے چند مسئلے ربوٰ کے متعلق ایک دم سے بیان کردیئے، سامعین میں بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا میرے پاس مکرر تحقیق کے لیے آئے۔

معلوم ہوا کہ قلت فہم یا سوء حفظ سے کسی مقدمہ کا مقدم دوسرے کی تالی سے

جوڑ دیا، وبالعکس اس لیے گڑ بڑ ہوگئی اور جب خود واقعہ پیش آئے گا تو اس کے پوچھنے پر صرف واقعہ نظر میں ہوگا اس میں خلط نہیں ہوسکتا۔ (الافاضات ۶/ ۷ ۳،قسط:۲)

معترضین کے اعتراض اور طعن و تشنیع کے جواب میں حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کا نرالہ معمول

حضرت (اقدس تھانویؒ) پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنی برأت فرمانے کی ہرگز کوشش نہیں فرماتے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی سابقہ تحقیق سے بلا تامل رجوع فرما لیتے ہیں۔

اور اگر اس اعتراض کا قابل قبول ہونا مشکوک ہوتا ہے تو اس اعتراض کو اپنے جواب کے ساتھ ''ترجیح الرجح'' میں شائع فرما دیتے ہیں تا کہ دیکھنے والے خود جس کے قول کو چاہیں ترجیح دے سکیں، یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراض کے ساتھ فرماتے ہیں۔

اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے (جو طعن و تشنیع پر مشتمل ہوتا ہے) تو اس کے متعلق پرواہ نہیں فرماتے، چنانچہ اگر ایسا اعتراض جوابی خط کے ذریعہ موصول ہوتا ہے تو اپنی برأت فرمانے کے بجائے نہایت استغناء کا جواب تحریر فرما دیتے ہیں، اور ایسے عنوان سے کہ معترض پر یہ ظاہر ہوجائے کہ اس کے اعتراض کو بالکل لغو اور نا قابل التفات سمجھا گیا، مثلاً ایک شخص کو جس نے واہی تباہی اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے تحریر فرما دیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ عیوب ہیں مگر مجھے تو اپنے عیوب کی اشاعت کی توفیق نہیں ہوئی تم ان کو مشتہر کر دو تا کہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں، اور اگر خط جوابی نہیں ہوتا تو اس کو پھاڑ کر ردی میں ڈال دیتے ہیں۔ (اشرف السوانح سوم ص ۱۵۴)

آجکل جواب دینا اعتراض کو ختم نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہوجاتا ہے

احقر عرض رسا ہے کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بے جا اعتراضوں کی بوچھار ہے جس میں سے اکثر کا سبب تعصب وتحزُّب (پارٹی بندی) ہے جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لئے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا۔

نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آج کل جواب دینا اعتراضات کو ختم نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہوجاتا ہے (یعنی سلسلہ بڑھ جاتا ہے) تو وقت بھی ضائع ہوا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا۔

تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے رہا کرے کہ اس کام کے لئے مجھ کو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا۔

چوتھے میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جواب دینے میں بہت اچھائی نہیں پائی، میں اہل خلوص کو تو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی زیادہ تر نیت یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہوجائیں گے، شان میں فرق آجائے گا، جس کا حاصل ارضاءِ عوام (یعنی مخلوق کو راضی کرنا) ہے، سو طبعی طور پر مجھ کو اس مقصود سے (یعنی عوام کو راضی کرنے سے) غیرت آتی ہے۔ (اشرف السوانح ص ۱۵۵ ج ۳)

معقول اور صحیح جواب بھی متعنّت کے تعنت کو رفع نہیں کرسکتا

''حفظ الایمان'' کی ایک عبارت کے سوال وجواب اور معترض کے اعتراض کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

جواب دینا تو اختیار میں ہے میں نے جواب اس عبارت کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے، باقی تسلی ہوجانا کسی کے اختیار میں نہیں، خصوصاً جنہوں نے پہلے سے مخالف فیصلہ کر رکھا ہے، جواب صحیح متردد کے تردد کو رفع کرسکتا ہے، متعنت کے تعنت کو رفع نہیں کرسکتا۔

رسالہ کا جواب برنگ مناظرہ ہمارے بزرگوں کی وضع کے خلاف اور بے نتیجہ ہے، سچی بات لکھ دی، کوئی نہ مانے تو ہم درپے نہیں ہوتے۔

آگے خط میں لکھا تھا ''تاکہ مجھے ان لوگوں سے (یعنی مخالفین سے) مقابلہ کی جرأت ہو'' اس کا یہ جواب لکھا گیا کہ ''اس کی ضرورت نہیں، نہ اس سے کبھی نزاع قطع ہوا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۱۰۱ ج ۶ سوال ۱۴۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دھمکی کا خط

مولوی اشرف علی تھانوی! یہ بات بہت تشویش اور ہمارے لئے شرم کی ہے کہ کانگریس جمعیۃ العلماء احرار اور مومن کانفرنس کی تمام کوششوں کے باوجود مسلم لیگ کا فتنہ ملک میں پھیلتا جاتا ہے اور آپ نے علماؤں کے خلاف مسلم لیگ کے موافق فتویٰ دیا ہے جس سے بہت اثر ہے، لیکن اب ہماری پارٹی مسلم لیگ کے مولویوں اور بددین لیڈروں کو مزا چکھانے کے لئے تیار ہوکر میدان میں آگئی ہے اس لئے آپ کو

بھی یہ تاکیدی نوٹس دی جاتی ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر مسلم لیگ سے اپنا فتویٰ واپس لے لو اور حصرت امیر الہند مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کا مسلک قبول کرلواور کانگریس کی حمایت کروورنہ یقین اور پورا یقین رکھو کہ ۔۔۔۔کی طرح سے تم کو بھی تمہاری خانقاہ میں چھرے سے ذبح کردیا جائے گا ،یہ قسمیہ اور ایماناً اطلاع بھیجی جاتی ہے،ایک مہینہ کی مدت غنیمت جاننا ایک مہینہ تمہارے بیان کی انتظاری کر کے ہمارا آدمی روانہ ہوجائے گا جو پستول یا چھرے سے تم کو ختم کردے گا، پھر مردود جناح کی باری ہوگی اور بدعتی مولوی ہامد بدایونی کی، یہ چٹھی کوئی دھمکی نہیں ہے۔فقط کانگریس زندہ باد اور جمعیۃ العلماء زندہ آباد۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا جواب

معلوم ہوتا ہے کہ کاتبِ خط نے میرے اس فتوے میں جو مسلم لیگ کے متعلق ہے جس کا لقب ''تنظیم المسلمین'' ہے غور نہیں کیا جس کی وجہ سے بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل اس کو مسلم لیگ کی حمایتِ مطلقہ سمجھ لیا حالانکہ اس میں ذیل کی قیود کی تصریح ہے۔۔۔

یہ ہے واقعہ،مگر میں اب بھی اس پر آمادہ ہوں کہ اگر علماء سے اس کارروائی کے خلاف شرع ہونے کا فتویٰ حاصل کر کے مجھ کو اطلاع کردی جاوے میں اس میں انصاف اور تدین سے غور کر کے شرح صدر کے بعد اپنے فتویٰ سے رجوع کرلوں گا جیسا کہ میرا ہمیشہ سے معمول رہا ہے،رسالہ ترجیح الراجح کا سلسلہ اس کی

دلیل ہے اور یہی کلام ہے کانگریس کی حمایت میں جس کو میں اب تک بحالت موجودہ اسلام اور اہل اسلام کے لئے سخت مضر سمجھتا ہوں لیکن اگر دلیل شرعی اس کے خلاف واضح ہوجائے میں اپنی رائے بدلنے کے لئے تیار ہوں اور یہی صحیح طریقہ بھی ہے کسی کی غلطی پر مطلع کرنے کا، باقی اگر تخویف سے کسی نے اپنے ضمیر کے خلاف کوئی رائے بھی ظاہر کردی یہ عقلاً بھی مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر شخص سمجھے گا کہ یہ رائے دل سے نہیں تو اس سے مقصود بھی حاصل نہ ہوگا، اس لئے یہ طریقہ محض عبث اور عقل وشرع دونوں کے خلاف ہے۔

یہ سب تنقیح اس وقت ہے جب حقیقت کو سمجھنا اور حق کا اتباع کرنا مقصود ہو اور اگر یہ نہیں تو پھر بجز قیامت کے دن کے اس کے فیصلہ کی کوئی صورت نہیں، باقی میں اس پر قادر نہیں کہ محض مخلوق کو راضی کرنے کے لئے حق تعالیٰ کو ناراض کردوں اور دنیا کے متاع قلیل کے لئے آخرت کے نفع وضرر کو نظر انداز کردوں والسلام واللہ الہادی الیٰ سواء السبیل۔ (افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ ص ۸۴، ۸۷)

حکیم الامتؒ کے ایک وعظ پر اشکال کا جواب

حضرت والا کے ایک وعظ کی بعض مثالوں پر یہ شکایت کی گئی ہے کہ اس میں (بعض برادریوں کی) دل آزاری کی گئی ہے۔۔حضرتؒ نے جواب تحریر فرمایا:

السلام علیکم اول تین وجہ سے جواب نہیں دیا گیا تھا ایک وجہ یہ کہ میں اس سے زیادہ اہم خدمات دینیہ میں فاقد الفرصت تھا۔

دوسری وجہ یہ کہ وہ سوال خلاف اصول تھا حقیقت کے اعتبار سے بھی کیونکہ میرا فعل میری رائے میں خلاف شریعت نہیں اور صحیح طریق کے اعتبار سے بھی اس لئے کہ صحیح طریق یہ ہے کہ جواب کے لئے ٹکٹ بھی رکھا جائے۔

تیسری وجہ یہ کہ غایت وضوح کے سبب یہ توقع تھی کہ خود ہی جواب ذہن میں آجائے گا لیکن بار بار کے سوال سے وہ توقع نہ رہی گو خلاف اصول ہونے کے سبب اب بھی جواب میرے ذمہ نہیں لیکن تفہیم کی مصلحت سے تبرعاً جواب لکھتا ہوں وہ یہ کہ:

میرا یہ فعل اگر خلاف شریعت سمجھا جاتا ہے تو مستند علماء اہل فتویٰ سے استفتاء کر کے حکم حاصل کر لیا جائے، میں اس حکم کو دل وجان سے قبول کرنے کے لئے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں اور احتیاط یہ ہے کہ ان علماء کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ جواب لکھتے وقت احیاء العلوم و درمختار مع ردالمحتار کو بھی ملاحظہ فرمالیں، نیز اس استفتاء کے ساتھ دوسرا استفتاء کر لینا بھی مناسب ہے کہ بدون دلیل شرعی کے کسی نسبت کا دعویٰ کرنا تحقیق سے یا تاویل سے کیسا ہے؟ اور اس دلیل اور تاویل کو بھی ظاہر کر دیا جائے اور اگر میرا فعل محض خلاف طبیعت ہی ہے تو میری قوم یعنی فاروقیین کی بزعم خود تنقیص کر کے دل ٹھنڈا کر لیا جائے آگے نیتوں کا حقیقی فیصلہ انما الاعمال بالنیات وقت پر ہو رہے گا اور اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو احکام شرع وعقوبتِ آخرت کو پیش نظر رکھ کر اختیار ہے۔ والسلام ۲۵/رجب ۱۳۵۱ھ یوم جمعہ (کمالات اشرفیہ ص ۳۹۷)

علماء کی توہین کرنے سے خود کو روکیں

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِتَّقُوا زِلَّةَ الْعَالِمِ وَلَا تَقْطَعُوْهُ وَانْتَظِرُوْا فَيْئَتَهُ۔ (مسند الفردوسی للدیلمی: ج ۱/ص ۹۵، کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۸۶۸۲)

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے تمام امت نے اس کو قبول کیا ہے۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا اہم نکتہ بیان فرمایا ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عوف مذنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عالم کی لغزش سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو، اور اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرو۔۔۔۔''عالم'' سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم، قرآن کریم کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم عطا فرمایا ہو۔ آپ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ فلاں کام گناہ ہے، اور تم یہ دیکھ رہے ہو کہ ایک عالم اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ پہلا کام تو تم یہ کرو کہ یہ ہرگز مت سوچو کہ جب اتنا بڑا عالم یہ گناہ کا کام کر رہا ہے تو لاؤ میں بھی کرلوں، بلکہ تم اس عالم کی اس غلطی اور اس گناہ سے بچو، اور اس کو دیکھ کر تم اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔ (از: مفتی تقی)

گناہ کے کاموں میں علماء کی اتباع مت کرو

اس حدیث کے پہلے جملے میں ان لوگوں کی اصلاح فرمادی، جن لوگوں کو جب کسی گناہ سے روکا جاتا ہے اور منع کیا جاتا ہے کہ فلاں کام ناجائز اور گناہ ہے۔ یہ کام مت

کرو، تو وہ لوگ بات ماننے اور سننے کے بجائے فوراً مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں عالم بھی تو یہ کام کرتے ہیں۔ فلاں عالم نے فلاں وقت میں یہ کام کیا تھا۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے قدم پر ہی اس استدلال کی جڑ کاٹ دی کہ تمہیں اس عالم کی غلطی کی پیروی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ تمہیں اس کی صرف اچھائی کی پیروی کرنی ہے، وہ اگر گناہ کا کام یا کوئی غلط کام کر رہا ہے تو تمہارے دل میں یہ جرأت پیدا نہ ہو کہ جب وہ عالم یہ کام کر رہا ہے تو ہم بھی کریں گے۔ ذرا سوچو کہ اگر وہ عالم جہنم کے راستے پر جا رہا ہے تو کیا تم بھی اس کے پیچھے جہنم کے راستے پر جاؤ گے؟ وہ اگر آگ میں کود رہا ہے تو کیا تم بھی کود جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے، پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ کے کام میں تم اس کی اتباع کر رہے ہو؟۔ (اصلاحی خطبات جلد 8)

عالم کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں

اس وجہ سے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ عالم جو سچا اور صحیح معنی میں عالم ہو اس کا فتویٰ تو معتبر ہے، اس کا زبان سے بتایا ہوا مسئلہ تو معتبر ہے۔ اس کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں۔ اگر وہ کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کام جائز ہے یا نہیں؟ وہ عالم یہی جواب دے گا کہ یہ عمل جائز نہیں۔ اس لئے تم اس کے بتائے ہوئے مسئلے کی اتباع کرو۔ اس کے عمل کی اتباع مت کرو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں کام جب اتنے بڑے علماء کر رہے ہیں تو لاؤ میں بھی یہ کام کرلوں۔ یہ استدلال درست نہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ آگ میں کود رہے ہے

ہیں۔ لاؤ میں بھی آگ میں کود جاؤں۔ جیسے یہ طرز استدلال غلط ہے، اسی طرح وہ طرزِ استدلال بھی غلط ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے بچو، یعنی اس کی لغزش کی اتباع مت کرو۔ (اصلاحی خطبات جلد 8)

عالم سے بدگمان ہوکر فوراً اس سے قطع تعلق مت کرو

بعض لوگ دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ جب وہ کسی عالم کو کسی غلطی میں یا گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو بس فوراً اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور اس سے بدگمان ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کو بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ مولوی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر تمام علماء کرام کی توہین شروع کر دیتے ہیں کہ آج کل کے علماء تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی حدیث کے دوسرے جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی تردید فرمادی کہ اگر کوئی عالم گناہ کا کام کر رہا ہے تو اس کی وجہ سے اس سے قطع تعلق بھی مت کرو۔ کیوں؟

علماء تمہاری طرح کے انسان ہی ہیں

اس لئے کہ عالم بھی تمہاری طرح کا انسان ہے۔ جو گوشت پوست تمہارے پاس ہے وہ اس کے پاس بھی ہے۔ وہ کوئی آسمان سے اترا ہوا فرشتہ نہیں ہے جو جذبات تمہارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جذبات اس کے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ نفس تمہارے پاس بھی ہے اس کے پاس بھی ہے۔ شیطان تمہارے پیچھے بھی لگا ہوا ہے اس کے پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ نہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، نہ وہ پیغمبر ہے، اور نہ وہ فرشتہ ہے، بلکہ وہ بھی اسی دنیا کا باشندہ ہے، اور جن حالات سے تم گزرتے ہو۔ وہ بھی ان حالات سے گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ

تم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہے اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، اور اس سے کبھی غلطی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہ انسان ہے تو بشری تقاضے سے کبھی اس سے غلطی بھی ہوگی۔ کبھی وہ گناہ بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کے گناہ کرنے کی وجہ سے فوراً اس عالم سے برگشتہ ہوجانا اور اس کی طرف سے بدگمان ہوجانا صحیح نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فوراً اس سے قطع تعلق مت کرو، بلکہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرو اس لئے کہ اس کے پاس علم صحیح موجود ہے۔ امید ہے کہ وہ انشاء اللہ کسی وقت لوٹ آئے گا۔ (مفتی شفیع)

علماء کے حق میں دعا کرو

اور اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! فلاں شخص آپ کے دین کا حامل ہے اس کے ذریعہ ہمیں دین کا علم معلوم ہوتا ہے، یہ بے چارہ اس گناہ کی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اے اللہ! اس کو اپنی رحمت سے اُس مصیبت سے نکال دیجئے۔ اس دعا کے کرنے سے تمہارا ڈبل فائدہ۔ ایک دعا کرنے کا ثواب ملے گا۔ دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا ثواب۔ اور اگر تمہاری یہ دعا قبول ہوگئی تو تم اس عالم کی اصلاح کا سبب بن جاؤ گے۔ پھر اس کے نتیجے میں وہ عالم جتنے نیک کام کرے گا وہ سب تمہارے اعمال نامہ میں بھی لکھے جائیں گے۔ لہٰذا بلا وجہ دوسروں سے یہ کہہ کر کسی عالم کو بدنام کرنا کہ فلاں بڑے عالم بنے پھرتے ہیں وہ تو یہ حرکت کر رہے ہیں۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ (مفتی شفیع)

عالم بے عمل بھی قابل احترام ہے اس کی عزت کیجئے

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کو تو خود چاہئے کہ وہ باعمل ہو، لیکن اگر کوئی عالم بے عمل بھی ہے تو بھی وہ عالم اپنے علم کی وجہ سے تمہارے لئے قابل احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہے، اس کا ایک مرتبہ ہے، اس مرتبہ کی وجہ سے وہ عالم قابل احترام بن گیا جیسا کہ والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ (سورۂ لقمان: ۱۵)

اگر والدین کافر اور مشرک بھی ہوں تو کفر اور شرک میں تو ان کی بات مت مانو۔ لیکن دنیا کے اندر ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماں باپ ہونے کا جو شرف حاصل ہے وہ بذات خود قابلِ تکریم اور قابلِ تعظیم ہے۔ تمہارے لئے ان کی اہانت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ایک عالم بے عمل بھی ہے تو اس کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو نیک عمل کی توفیق دیدے۔ لیکن اس کی بدعملی کی وجہ سے اس کی توہین مت کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ نرا علم کوئی چیز نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن یہ بھی فرماتے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب میرے پاس کوئی عالم آتا ہے تو اگرچہ اس کے بارے میں مجھے معلوم ہو کہ یہ فلاں غلطی کے اندر مبتلا ہے اس کے باوجود اس کے علم کی وجہ سے اس کا اکرام کرتا ہوں اور اس کی عزت کرتا ہوں۔

علماء سے تعلق قائم رکھو

لہٰذا یہ پروپیگنڈہ کرنا اور علماء کو بدنام کرتے پھرنا کہ ارے میاں آج کل کے مولوی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، آج کل کے علماء کا تو یہ حال ہے۔۔۔۔ یہ بھی موجودہ دور کا ایک فیشن بن گیا ہے۔ جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو یہ طرز عمل ہے ہی۔ اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب تک مولوی اور علماء کو بدنام نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہم اس قوم کو گمراہ نہیں کر سکتے، جب علماء سے اس کا رشتہ توڑ دیں گے تو پھر یہ لوگ ہمارے رحم وکرم پر ہوں گے۔ ہم جس طرح چاہیں گے ان کو گمراہ کرتے پھریں گے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب گلہ بان سے بکریوں کا رشتہ توڑ دیا تو اب بھیڑیے کے لئے آزادی ہوگئی کہ وہ جس طرح چاہے بکریوں کو پھاڑ کھائے۔ لہٰذا جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ علماء کو بدنام کیا جائے لیکن جو لوگ دیندار ہیں ان کا بھی یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ وہ بھی ہر وقت علماء کی توہین اور ان کی بے وقعتی کرتے پھرتے ہیں کہ ارے صاحب! علماء کا تو یہ حال ہے۔ ان لوگوں کی مجلسیں ان باتوں سے بھری ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ جب لوگوں کو علماء سے بدظن کر دیا تو اب تمہیں شریعت کے احکام کون بتائے گا؟ اب تو شیطان ہی تمہیں شریعت کے مسائل بتائے گا کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔ پھر تم اس کے پیچھے چلو گے، اور گمراہ ہو جاؤ گے۔ لہٰذا علماء اگرچہ بے عمل نظر آئیں پھر بھی ان کی اس طرح توہین مت کیا کرو۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرو، جب

تم اس کے حق میں دعا کروگے تو علم تو اس کے پاس موجود ہے تمہاری دعا کی برکت سے انشاء اللہ ایک دن وہ ضرور صحیح راستے پر لوٹ آئیگا۔ (حکیم الامتؒ)

توہین علماء کا فتنہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جہاں کتابیں نازل فرمائیں وہیں پیغمبروں کی شکل میں اپنے منتخب بندوں کو بھی مبعوث فرمایا، انسانیت کی راہ نمائی کے لیے صرف کتابوں پر اکتفا نہیں کیا گیا، ہر کتاب کے ساتھ ایک رسول بھی بھیجا گیا، نبوت کی تاریخ میں ایسا بارہا ہوا کہ صرف نبی کی بعثت پر اکتفا کیا گیا اور اس پر کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی یا رسول کے بغیر صرف کتاب پر اکتفا کیا گیا ہو، یہی وجہ ہے کہ انبیا کی تعداد تو ایک لاکھ سے متجاوز ہے، لیکن مشہور آسمانی کتابیں صرف چار ہیں اور ان کے علاوہ چند صحیفے تھے، جو بعض پیغمبروں پر نازل کیے گئے، اس طرح انبیا کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جن پر مستقل کتاب نازل نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ کی اس عمومی سنت سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ بشری ہدایت اور اصلاحِ عالم کے لیے آسمانی ہدایت ناموں کے ساتھ خدا کے ان رجالِ خاص کی ضرورت ہے، جو انسانوں کے سامنے ربانی ہدایات کا عملی نمونہ پیش کرسکتے ہوں اور اپنی زندگی کے ذریعہ وحی الٰہی کی تشریح وتوضیح کرسکیں، خود قرآن مجید میں جگہ جگہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے: ”اور آپ پر بھی یہ قرآن ہم نے اتارا ہے، تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ لوگ فکر کیا کریں“۔ (النحل:44)

حضرات انبیائے کرام کی تشریح اور عملی نمونے کے بغیر آسمانی کتابوں سے استفادہ ناممکن ہے، ہدایت واصلاح ہی نہیں، بلکہ کسی بھی فن یا علم کے حصول کا یہی ضابطہ ہوتا ہے، موجودہ دور میں علم وفن اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ ہر فن کی کتابیں دنیا کی تقریباً مشہور زبانوں میں پائی جاتی ہیں، اگر کوئی کسی فن کے حصول کے لیے استاذ کے بغیر صرف کتابوں پر اکتفا کرنا چاہے تو اس کے لیے اس فن کا حصول ممکن نہیں، فن طب کی ہزاروں کتابیں اس وقت بازار میں دست یاب ہیں، اگر کوئی صرف کتابوں کے مطالعہ سے علاج ومعالجہ شروع کرے تو ظاہر ہے کہ وہ قبرستان آباد کرنے لگے گا، جب تک ماہر اطباء کی صحبت میں ایک عرصہ نہیں گذارے گا اور ان سے راہ نمائی حاصل نہیں کرے گا، نہ اسے ڈاکٹری کی ڈگری دی جائے گی اور نہ ہی علاج کی اجازت دی جائے گی، فن طب تو بہت آگے کی چیز ہے، بغیر استاذ کی راہ نمائی کے آدمی معمولی قسم کا پکوان بھی نہیں تیار کرسکتا، کتاب کا مطالعہ کر کے چھوٹی سی ڈش بھی نہیں بنائی جاسکتی۔

غیر مقلدین خلفاء راشدین پر جھوٹے اعتراض کرتے ہیں

غیر مقلدین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خلفائے راشدین بسا اوقات کتاب وسنت کے شرعی احکام کے خلاف اپنی ذاتی رائے اور شخصی مصالح پر مبنی احکام صادر ونافذ کردیا کرتے تھے۔ رئیس سلفی صاحب نے لکھا ہے:

’’اپنی ذاتی مصلحت بینی کی بنیاد پر بعض خلفاء راشدین بعض احکام شرعیہ کے

خلاف بخیال خویش اصلاح و مصلحت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے، ان احکام کے سلسلے میں ان خلفاء کی باتوں کو عام امت نے رد کر دیا"۔ (تنویر الآفاق ۱۰۷)

موصوف نے اپنی اس فکر کو مختلف انداز سے کئی بار نقل کیا ہے، اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ خلفاء راشدین:

(۱) احکام شرعیہ کے خلاف احکام صادر کرتے تھے۔

(۲) بہت سے مسائل میں کتاب وسنت کے خلاف موقف رکھتے تھے۔

(۳) امت نے اجماعاً ان کے ایسے احکام کو رد کر دیا ہے۔

تمام علمی ذخائر کا جائزہ لینے کے بعد بھی کہیں سے ان تینوں باتوں کی صداقت اور واقعیت کا کوئی سراغ ہم کو نہیں مل سکا، نہ کوئی ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ خلفاء راشدین نے کتاب وسنت کے خلاف کوئی حکم بیان کیا اور نافذ کیا، اور نہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان کے کسی حکم کو اجماعاً امت نے رد کر دیا، غیر مقلدین اپنے آپ کو پوری امت قرار دے رہے ہوں، تو یہ ان کی خود فریبی ہے، اہل حق ہر دور میں خلفاء راشدین اور جماعت صحابہ کے عقیدت مند، متبع اور عاشق رہے ہیں۔ حضرت ایوب سختیانی نے بجا فرمایا ہے:

مَنْ أَحَبَّ اَبَابَكْرٍ فَقَدْ أَقَامَ مَنَارَ الدِّيْنِ، وَمَنْ أَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ أَوْضَحَ السَّبِيْلَ، وَمَنْ أَحَبَّ عُثْمَانَ فَقَدْ اسْتَنَارَ بِنُوْرِ اللهِ، وَمَنْ أَحَبَّ عَلِياً فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى، وَمَنْ قَالَ الْخَيْرَ فِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ بَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ۔ (فضائل صحابہ بحوالہ ذہبی ۲۴، از: حضرت شیخ الحدیثؒ)

ترجمہ: جس نے حضرت ابوبکرؓ سے محبت کی اس نے دین کا منار قائم کر دیا، اور جس نے حضرت عمرؓ سے محبت کی، اس نے راستہ واضح کر دیا، جس نے حضرت عثمانؓ سے محبت کی وہ اللہ کے نور سے منور ہو گیا، جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت کی اس نے مضبوط حلقہ قوت سے پکڑ لیا، اور جس نے صحابہ کے بارے میں خیر کی بات کہی وہ نفاق سے بری ہو گیا۔

امیر کے خلاف بغاوت کی ممانعت

دوسرے یہ فرمایا کہ ”جس کو امیر بنا لیا گیا، اس کے خلاف کوئی اور امیر کھڑا ہو، تو اس کو دفع کرو! اگر بغیر حرب وقتال کے دفع نہ ہو، تو اس کے ساتھ قتال کرو اور اس کو قتل کر دو“۔

یہ بھی مرکزیت کے قیام و بقا واستحکام کے لیے حکم دیا گیا ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا، تو ہر امیر کے خلاف بغاوتیں ہو سکتی ہیں، جس کے نتیجے میں مرکزیت تحلیل ہو کر امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا، حتیٰ کہ اگر فاسق وفاجر کو بھی امیر بنا دیا جائے، تو اس کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، یعنی فاسق امیر اگر شرعی حدود میں رہتے ہوئے احکام جاری کرے، تو اس کی بھی اطاعت کرنا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ”اگر تم پر کوئی کالا یا کان کٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے، جو تم کو کتاب اللہ کے مطابق چلاتا ہو، تو تم اس کی سنو اور مانو اور بعض روایات میں حبشی غلام کا ذکر ہے“۔ (المسلم: ۶۲۷۴، الترمذی: ۱۷۰۶، نسائی: ۴۱۹۷، ابن ماجہ: ۲۸۶۱، احمد: ۱۷۱۴۲)

موجودہ حالات کا اگر کوئی علاج ہوسکتا ہے، تو وہ یہی ہے کہ امت کو اللہ کوئی امیر عطا فرمائے؛ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو بہترین رہبر وقائد عطا فرمائے۔ (آمین)

اکابر واسلاف کا باطل فرقوں اور بدعات کے خلاف محاذ

اخیر میں سلف صالحین کی سیرت سے رہنمائی کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح عقائد واعمال کے سلسلے میں ان حضرات کا موقف بعض واقعات کی روشنی میں پیش کر دیا جائے؛ تا کہ ایک جانب ہمیں اس سے رہبری ملے، تو دوسری جانب ہماری ہمتوں میں بلند حوصلگی اور جذبوں میں بیداری پیدا ہو، نیز بعض لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر اچھے برے کی تائید وتصدیق کوئی نیک عمل اور بزرگی کا معیار ہے؛ کیونکہ ہم نے بعض اچھے خاصے دینداروں کو بھی؛ بلکہ بعض علماء کو بھی دیکھا ہے، جو بدعات وخرافات اور غلط وباطل فرقوں کی تردید کو بزرگی کے خلاف سمجھنے کی عجیب وحیرت ناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں؛ لہذا یہاں سے ان کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی۔اسی طرح ان حضرات کے ذہن کی بھی اصلاح ہو جائے، جو یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ بدعات وخرافات کی تردید اور اہل بدعت وباطل سے اختلاف بھی اس مذموم وحرام اختلاف میں داخل ہے ،جس سے قرآن وحدیث میں منع کیا گیا ہے؛ حالانکہ وہ اس میں داخل نہیں؛ بلکہ یہ اختلاف لازم وضروری ہے۔

حضرات صحابہ کے دور کے بارے میں یہ بات نا قابل تصور ہے کہ وہاں ایمان و عقیدے میں کمزوریوں کا کوئی سلسلہ چلا ہو؛ البتہ اکا دکا کوئی حال وواقعہ بعض افراد کی

جانب سے اس قسم کا پیش آیا، تو ان حضرات نے اس کا بھی سخت نوٹس لیا ہے۔ جس کی چند مثالیں ہمیں تاریخ وسیرت کے ذخیرے میں ملتی ہیں۔ (از: مفتی شعیب اللہ خان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنے کے خوف سے درخت کٹوادیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوف فتنے سے حدیبیہ مقام کے ایک درخت کو کٹوادیا تھا، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے تحت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ تبرک حاصل کرنے کے لئے ایک درخت کے پاس اس خیال سے جاتے اور نماز پڑھتے ہیں کہ اسی کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی، پس آپ رضی اللہ عنہ نے فتنے کے خوف سے اس درخت کو کٹوادیا۔ (البدع لابن الوضاح: ۴۲۔ الاعتصام: ۱/ ۳۴۶۔)

ایک انگریز کی قرآن کے خلاف سازش

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس اثر کی شرح میں ایک تاریخی واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے، جو ان کے دور میں پیش آیا تھا؛ وہ یہ کہ ایک انگریز ''ڈاکٹر منجانا'' نے سمندر پار سے ایک صحیفہ لاکر یہ دعویٰ کیا یہی اصلی وقدیم قرآن ہے، جب کہ اس میں مسلمانوں کے پاس موجود قرآن پاک کے خلاف بہت سی باتیں تھیں، اس انگریز نما شیطان کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کے بارے میں شک پیدا کیا جائے اور نعوذ باللہ قرآن میں تحریف ثابت کی جائے۔ (فتح الملہم: ۱/ ۳۴۳)

بہر حال! مقصد یہ ہے کہ آخری دور میں جھوٹے اور مکار لوگ قرآن اور حدیث کے نام پر دھوکہ دیں گے؛ چناں چہ یہ سب باتیں ظاہر ہورہی ہیں، اب سے بہت پہلے وضاعینِ حدیث اپنی طرف سے بہت سی احادیث گھڑ گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے رہے ہیں اور لوگوں نے اس سے دھوکہ کھایا اور آج تک اس قسم کی حدیثوں سے امت میں دھوکہ کھانے والے موجود ہیں۔

اس لیے علمائے محدثین نے اس فتنے کا جم کر مقابلہ کیا اور اصلی و نقلی حدیثوں کے مابین فرق و امتیاز کے لیے اصول و قواعد مرتب فرمائے اور پھر ان پر اصلی و نقلی حدیثوں کو جانچ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا؛ مگر پھر بھی جاہل یا عالم کالجاہل لوگ اس فتنے کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

فریبی لوگوں کی چالاکیاں

اور یہ دجال و کذاب لوگ بہت چالاک ہوتے ہیں اور اپنی چالاکی و مکاری سے اپنے مفاد کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے من گھڑت حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

تاریخ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مسجد میں مشہور محدث ''امام احمد بن حنبل'' اور ''امام یحییٰ بن معین'' رحمہما اللہ نماز کے لیے حاضر ہوئے، بعد نماز ایک صاحب نے وعظ کا اعلان کیا اور وعظ میں حدیث سنائی اور اس کی سند میں امام احمد اور یحییٰ بن معین کا نام لیا اور یہ دونوں حضرات تو وہاں تھے ہی؛ مگر تعجب یہ کہ ان حضرات کے علم میں ایسی کوئی حدیث تھی

ہی نہیں، چہ جائے کہ وہ اس کو بیان کرتے!! وعظ کے بعد ان حضرات نے اس واعظ کو بلایا اور کہا تم نے یحییٰ اور احمد کے حوالہ سے حدیث بیان کی ہے، یحییٰ اور احمد تو ہم ہیں، ہم نے تو ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی؟ تم نے ہم پر جھوٹ کہا ہے؟ تو وہ واعظ کہنے لگا کہ میں نے سنا تھا کہ یحییٰ نام کے لوگ بے وقوف ہوتے ہیں، آج اس کا تجربہ ہوگیا؛ پھر کہا کہ میں نے یہ کب کہا کہ وہ یحییٰ اور احمد تم ہی ہو، میں نے نہ معلوم کتنے احمد اور کتنے یحییٰ سے حدیث سنی ہے۔ (السنۃ ومکانتھا، مصطفی السباعی: ۱۰۳)

دیکھیے! یہ کذاب لوگ کتنے چالاک اور مکار ہوتے ہیں کہ ”چوری اور سینہ زوری“ کے مصداق، ایک تو جھوٹ کہا اور جب باز پُرس ہوئی، تو انہیں حضرات محدثین کو بے وقوف بنادیا۔!!

قریب زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی علیہ اللعنۃ (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا) اسی طرح اپنی جھوٹی نبوت اور اپنی بے ہودہ بکواس کو ثابت کرنے کے لیے اور لوگوں کو گمراہی میں پھنسانے کے لیے حدیثیں ہی نہیں؛ بل کہ آیات گھڑتا تھا اور اللہ ورسول کی طرف بلا دھڑک منسوب کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ کہا کہ قرآن میں میں نے یہ آیت دیکھی ”اِنّا اَنزلناہُ قریباً مِنَ القادیان“ (کہ ہم نے قرآن کو قادیان کے قریب نازل کیا ہے) حالاں کہ ہر قرآن کا جاننے والا جانتا ہے کہ قرآن میں ہرگز ہرگز یہ آیت نہیں ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے مکار و چال باز لوگوں کا اس حدیث میں ذکر کر کے ہم کو پہلے ہی

چوکنا فرما دیا کہ خبردار! تم ان کی باتوں سے گمراہ نہ ہو جانا، جو نئی حدیثیں لائیں گے، جس کو نہ تم نے سنا ہوگا، نہ تمہارے باپ دادوں نے کبھی سنا ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بلا سند مانی نہیں جائے گی کہ جو کوئی چاہے کچھ کہہ دے اور اس کو حدیث کا نام دے دے؛ بلکہ اس سے سند پوچھی جائے گی اور اس کی جانچ کی جائے گی، اگر کھری اتری اور معتبر سند کے ساتھ سامنے آئی، تب اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ (مفتی شعیب اللہ خان)

علماء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے سارے علماء سے بدگمانی صحیح نہیں

بس تمہارے ہی اقرار سے اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف محمود اور ایک اختلاف مذموم، اختلاف محمود وہ ہے جو صاحب حق کو صاحب باطل سے ہو۔ اور مذموم وہ ہے جو اہل باطل کو صاحب حق سے ہو۔ پھر علماء کے اختلاف میں یہ اقسام کیوں جاری نہیں کی جاتیں، یہاں اختلاف ہو تو دونوں جماعتوں کو کس لئے مجرم قرار دیا جاتا ہے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ سے کسی کا اختلاف ہو وہاں تو دو قسمیں نکل آئیں اور علماء کے اختلاف ایک ہی قسم میں داخل ہو۔ پس جہاں حق متعین و معلوم ہو، وہاں تو اہل باطل کو اتفاق پر مجبور کرنا چاہئے کہ تم اہل حق سے نزاع نہ کرو جیسے حاکم ایک فریق کو دوسرے فریق کی بات ماننے پر مجبور کیا کرتا ہے۔ اور اگر وہ حاکم کا فیصلہ ماننے سے انکار کرے تو پھر خود سرکار اس فریق کی مخالف اور مقابل بن جاتی ہے اور گو ظاہر میں یہ بھی اختلاف ہے مگر اس پر ہزار اتفاق قربان ہیں کیونکہ یہ

اختلاف احداث نزاع (جھگڑا پیدا کرنے) کے لئے نہیں بلکہ رفع اختلاف (یعنی اختلاف کو ختم کرنے) کے لئے ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کو کرنا چاہئے کہ جہاں علماء میں اختلاف ہو اور ایک جماعت کا حق پر ہونا معلوم ہو وہاں اہل باطل کو اہل حق کے راستہ پر آنے کے لئے مجبور کریں اور اگر وہ نہ مانیں تو سب مل کر ان کی مخالفت کریں اور جہاں حق معلوم نہ ہو وہاں کسی کو بھی مجبور نہ کریں بلکہ پہلے حق کی تحقیق کریں۔ قاعدہ عقلیہ کا مقتضی یہی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ جہاں دو مولویوں میں اختلاف دیکھا اور لگے دونوں کو برا کہنے۔

لوگ آج کل اتفاق اتفاق تو پکارتے ہیں مگر اس کی حدود کی رعایت نہیں کرتے بس اتنا یاد کرلیا ہے کہ قرآن میں حکم ہے لَا تَفَرَّقُوْا افتراق نہ کرو، مگر اس سے پہلا جملہ نہیں دیکھتے، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کہ اس میں اللہ کے راستہ پر قائم رہنے کا پہلے حکم ہے اس کے بعد ارشاد ہے کہ حَبْلِ اللّٰہ (اللہ کی رسی یعنی اللہ کے حکم) پر متفق ہو کر اس سے تفرق (اختلاف) نہ کرو تو اب مجرم وہ ہے جو حبل اللہ سے الگ ہو۔ اور جو حبل اللہ پر قائم ہے وہ ہرگز مجرم نہیں گو اہل باطل سے اس کو ضرور اختلاف ہوگا۔

پس یاد رکھو! کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا اور نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے، بلکہ وہ اتفاق محمود ہے جو حبل اللہ کے اعتصام پر ہو ورنہ کفار

نے بھی تو بت پرستی پر اتفاق کیا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں
وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
کہ تم لوگوں نے حیات دنیا میں اتحاد اور دوستی قائم کر کے چند بتوں کو معبود بنالیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کفار میں اتحاد واتفاق تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ دوسرے مقام پر اس کا بھی ذکر ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا الآية۔ (سورۃ الممتحنہ پ ۲۸)

(ترجمہ: تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہمارے تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے (امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل)

بدگمانی، بغض وحسد شیطانی کام ہیں

میرے مرشد مکرم نے اس آیت کریمہ کے ضمن میں خطبات رحیمی میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ =صَدَقَ اللهُ الْعَظِيْمِ۔

جسے عزتِ مسلم کا کچھ اعتراف نہیں
وہ لاکھ سجدے کرے گناہ معاف نہیں
دلوں میں بغضِ مومن بدن پہ حج کا لباس
تیرے نصیب کا چکر ہے یہ طواف نہیں

اے ایمان والو! بہت زیادہ تہمتیں لگانے سے بچو بلاشبہ بعض تہمتیں گناہ ہیں اور بھید نہ کھولو اور ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو۔ کیا تم میں کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم لوگ ناپسند کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا بہت مہربان ہے۔

ابلیس حسد کی وجہ سے ذلیل ہوا

ابلیس لعین حسد ہی کی وجہ سے تو قہر وذلت میں جا گرا۔ آدم علیہ السلام کی فضیلت و برتری اس سے دیکھی نہ گئی کہ یہ مٹی کا بنا ہوا پتلا اس کے لئے یہ فضائل ومناقب کہ زمین کا خلیفہ بنایا جائے اور میں نے کثیر عبادت کی مگر میری اس عبادت کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔

اس لئے فرمان خداوندی کو ٹھکرا دیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی فضیلت و برتری اللہ کے سامنے بیان کرنے لگا کہ میں تو آگ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور مٹی تو ایک معمولی چیز ہے اور اس کو اوپر پھینکو تو نیچے آتی ہے، آگ کا مزاج ہے کہ اوپر اٹھتی ہے معمولی چیز

کو سجدہ کرے یہ نہیں ہوسکتا ہے۔اس کو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا (خطبات رحیمی)

بدگمانی کا موقعہ نہ دو

''بخاری شریف'' کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں رمضان کے آخر عشرے میں اعتکاف میں تھے،آپ کی بیوی حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے آئیں، کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد جانے لگیں،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑنے مسجد کے دروازے تک آئے،تو دو انصاری آدمی وہاں سے گزرے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا،تو آپ نے فرمایا: خبردار! یہ صفیہ ہے! (یعنی یہ گمان نہ کرو کہ کوئی دوسری عورت میرے پاس ہے؛ بلکہ یہ میری ہی بیوی صفیہ ہے۔) تو ان دونوں نے کہا کہ سبحان اللہ! یارسول اللہ (یعنی ہم آپ کے بارے میں کیسے بدگمانی کرسکتے ہیں؟) اور ان پر یہ بات شاق گزری،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے؛اس لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ کہیں تمھارے دل میں بدگمانی نہ پیدا کردے۔(البخاري: ۱۸۹۳،مسلم: ۴۰۴۱)

یادرکھو! کہ جس طرح کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا گناہ ہے،اسی طرح بدگمانی کا موقعہ فراہم کرنا بھی جائز نہیں؛ مگر آج لوگ صرف بدگمانی کرنے کو غلط سمجھتے ہیں، حالانکہ بدگمانی کا موقعہ دینا اور زیادہ غلط بات ہے۔

نماز میں تاخیر کرنے اور تجسس کرنے پر قبر کا عذاب

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مدینے کے لوگوں میں سے ایک شخص کی بہن بیمار ہوئی، تو وہ اپنی بہن کی عیادت و تیمارداری کرتا رہا، پھر وہ مرگئی، تو اس کو دفن کر دیا اور قبر میں یہی شخص دفن کے موقعے پر اترا تھا، اس کے پاس جیب میں دینار کی ایک تھیلی تھی، وہ قبر میں گر گئی، تو بعض لوگوں کے تعاون سے قبر کھود کر دیکھا، تو قبر میں آگ دہک رہی ہے، یہ اپنی ماں کے پاس آیا اور پوچھا کہ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ ماں نے کہا کہ جب وہ مرچکی، تو اب عمل پوچھ کر کیا کروگے؟ مگر جب اس نے اصرار کیا، تو ماں نے بتایا کہ تیری بہن ایک تو نماز کو تاخیر کر کے پڑھتی تھی اور دوسرے جب پڑوسی سوجاتے یعنی سونے کے لیے دروازہ بند کر دیتے، تو جا کر ان کے دروازہ پر کان لگا کر ان کا تجسس کرتی اور ان کی پوشیدہ باتیں معلوم کرتی تھی۔ بھائی نے سن کر کہا کہ بس اسی نے اس کو ہلاک کیا ہے۔ (تفسیر القرطبي: ۱۶/ ۳۳۴)

جاہل کے اجتہاد کا نتیجہ

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں ’’احکام‘‘ کی آیتیں ہیں۔ ان میں اجتہاد کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں؛ بلکہ اس کے لیے متعدد علوم پر مہارت کی ضرورت ہے۔ اس لیے قرآن پڑھ کر اس کے عام مضامین سے فائدہ تو اٹھائے؛ مگر خود ہی اپنی عقل سے ان میں اجتہاد نہ کرے۔ یہ کام فقہائے کرام

کا ہے۔ اگر ہر آدمی اجتہاد کرے گا؛ تو نہ معلوم کس بات سے کیا نتیجہ نکالے گا اور کیا گڑ بڑ کردے گا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ایک گاؤں میں ایک شخص درخت پر چڑھ گیا؛ مگر چڑھنے کو تو چڑھ گیا، اتر نا نہیں آتا تھا۔ بہت چیخا، چلایا، لوگ جمع ہو کر سوچنے لگے کہ کس طرح اس کو اتاریں؟ اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں اس کو اتاروں گا، تم رسی لے آؤ، لوگ رسی لے آئے، اس نے رسی کو درخت پر اس آدمی کی طرف پھینکا اور کہا کہ اس کو پکڑ کر اپنی کمر پر باندھ لو، یہ شخص نیچے سے زور سے جھٹکا دیا، وہ آدمی تو نیچے آ گیا؛ مگر اس کی روح اوپر چلی گئی یعنی بے چارہ مر گیا۔ اب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ تو کیا جواب دیتا ہے کہ میں نے اس طرح سے کئی آدمیوں کو کنویں سے نکالا ہے۔ واہ! کیا اجتہاد ہے؟!! کہ کنویں کے مسئلے پر درخت کو قیاس کرلیا ہے۔ اس طرح ہر آدمی احکام کی آیت میں اجتہاد کرے گا؛ تو سوائے گڑ بڑی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ (مفتی شعیب اللہ خان)

بدگمانی، بدزبانی، عیب گوئی، عیب جوئی کا علاج

(حال) بعض وقت ذراسی بات پر دوسروں کی طرف سے بدگمانی بھی ہوتی ہے مگر اس کو بھی دل سے بہت دور کرتا ہوں۔

(جواب) اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ زبان پر اس کو کسی کے سامنے نہ لاویں۔ (تربیت السالک ص ۳۷۶ ج ۱)

(حال) مجھ میں ایک بڑا عیب راسخ ہو گیا ہے کہ دوسروں کا عیب تو بہت بڑا معلوم

ہوتا ہے حتیٰ کہ اس میں غیبت تک کی نوبت آجاتی ہے، اور اپنا عیب نہیں معلوم ہوتا، ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ یہ بری عادت مجھ سے دور ہو جائے لیکن کسی طرح نہیں جاتی، کوئی طریقہ ہدایت فرمائیں تاکہ یہ بری عادت دور ہو جائے۔

(جواب) دعا بھی کرتا ہوں باقی تدبیر یہ ہے کہ آپ ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لیا کیجئے کہ اگر یہ کلام میں نہ کروں تو کوئی ضروری نفع فوت تو نہ ہوگا، جس میں ضرور ی نفع کا فوت نہ ہونا معلوم ہو اس سے زبان کو بند رکھئے یہ تو زبان کا انتظام ہے۔

باقی اس کی جڑ کا انتظام یہ ہے کہ جب کسی کے عیب پر نظر پڑے تو یوں سوچا کیجئے کہ اس شخص میں یہ عیب ہے مگر ممکن ہے کہ اس میں کچھ خوبیاں ایسی ہوں جن کے اعتبار سے اس کی مجموعی حالت میری مجموعی حالت سے عند اللہ احسن (اللہ کے نزدیک زیادہ اچھی) ہو، پھر مجھ کو اس کی عیب جوئی یا عیب گوئی کا کیا حق حاصل ہے۔ جس طرح اندھے کو یہ حق نہیں کہ کانے کو چڑاوے، بار بار اس مضمون کے استحضار سے انشاء اللہ یہ عیب جڑ سے ختم ہو جائے گا، اور اگر کبھی اتفاق سے پھر بھی اس کا صدور ہو جائے تو بطور جرمانہ کے بیس رکعت نفل پڑھا کیجئے انشاء اللہ نفس سیدھا ہو جائیگا۔ (تربیت السالک ص ۲۷۸)

بدگمانی و بدزبانی حرام ہے جس سے سوء خاتمہ کا خطرہ ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر تاویل کی جائے تو پھر کوئی بھی مؤاخذہ کے قابل نہیں رہتا، تاویل میں تو بڑی وسعت ہے، فرمایا: تاویل اور

توجیہ کا بھی ایک معیار ہے، ایک وہ شخص ہے جس کی غالب حالت صلاحیت کی ہے، دین کا مطیع ہے، عقائد صحیح ہیں ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہوجائے وہاں تاویل واجب ہے، اور جہاں فسق وفجور کا غلبہ ہے وہاں تاویل نہ کی جائے گی، اور مستحقین تاویل کی شان میں اگر تاویل بھی نہ کی جائے تب بھی کف لسان (زبان روکنا) واجب ہے گوان کا معتقد ہونا بھی واجب نہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا معتقد ہونا واجب نہیں، مگر گستاخی بھی خطرہ سے خالی نہیں اور خطرہ بھی ایسا جس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اہل طریق سے بدگمانی کرنے میں سوء خاتمہ (یعنی خاتمہ اچھا نہ ہونے) کا اندیشہ ہے، اور اگر کچھ نہ کہو تو کچھ اندیشہ نہیں تو بہتر صورت یہی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ کچھ نہ کہو گو یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقد ہوجاؤ، بس نہ معتقد ہو اور نہ کوئی بے جا کلمہ کہو، اسی میں خیر ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص امیر ہو اسکے امیر ہونے کا کوئی معتقد نہ ہو لیکن اگر یوں کہے کہ وہ غریب مفلس ہے یہ جھوٹ ہوگا، اور موجب ایذاء (تکلیف کا باعث) بھی، سو معتقد نہ ہونا جرم نہ تھا، جھوٹ بولنا جرم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ان حضرات کا معتقد نہ ہو کوئی جرم نہیں لیکن برا بھلا کہنا یہ بڑی خطرناک بات ہے ہمارے بزرگوں کا مذہب تو یہ ہے کہ وہ افراط وتفریط کو پسند نہ فرماتے تھے، منصوص علیہ حضرات کے سوا کسی خاص بزرگ کا نہ معتقد ہونا فرض ہے نہ برا بھلا کہنا جائز۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۰۰ ج ۲)

شیخ سے بدگمانی حماقت ہے

(اس پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت اس کا احساس ہورہا ہے کہ شیخ مجھ

سے ناراض ہیں، حضرت میں معافی چاہتا ہوں مجھے اپنی خطا یاد نہیں آئی، اب سوچتا ہوں کہ مجھ سے کیسی غلطی ہوئی۔ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ) یہی آپ کی حماقت ہے، شیخ تو کلیات بیان کررہا ہے کہ جب کبھی خطا ہو تو اس کا اعتراف کرلو بس۔ میں تو مستقبل کے لیے ایک لائحۂ عمل پیش کررہا ہوں اور تم ماضی کی خطاؤں کو یاد کررہے ہو، اللہ سے اپنی عقل پر فضل مانگو، جب شیخ مستقبل کا راستہ بتارہا ہو تو ماضی کی باتوں کو یاد کرنا یہ بھی حماقت ہے۔

میرے شیخ فرماتے تھے کہ جب شیخ نے خطا معاف کردی تو پھر اس کا خیال بھی لانا قبر سے مُردوں کو اُکھاڑنا ہے۔ آپ بتاؤ! مردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کا اکھاڑنا جائز ہے؟ حضرت نے یہ مجھ سے خود فرمایا کہ جب شیخ نے ایک دفعہ معاف کردیا تو بعد میں جب کبھی شیخ کوئی بات بتائے گا، تو سمجھ لو کہ وہ مستقبل کا لائحۂ عمل بتارہا ہے کہ آیندہ مت ستاؤ، آیندہ اپنی عاقبت مت خراب کرو۔ شیخ مستقبل کے لیے کہتا ہے تاکہ تم پکا ارادہ کرلو اور سوچو کہ شیخ ازراہِ شفقت چاہتا ہے کہ مستقبل میں ہم سے ایسی کوئی غلطی نہ ہو، شیخ مستقبل کے تحفظ کا راستہ بتارہا ہے اور مرید بے وقوف ماضی کی باتیں سوچ رہا ہے کہ ہم سے کوئی خطا ہوگئی، کیا ہم سے کوئی ناراضگی ہے، یہ بدگمانی حرام ہے، اس سے توبہ کرو۔

ایک صاحب نے میرے شیخ کو لکھا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آج کل آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ حضرت نے لکھا کہ یہ بدگمانی حرام ہے، اگر شیخ ناراض ہوگا تو

اسے مرید کو تحریراً یا تقریراً بتانا لازم ہے کہ دیکھو تمہاری اس خطا سے ہم کو تکلیف ہوئی، دل میں تکلیف یا ناراضگی رکھنا شیخ کے لیے حرام ہے، ہاں دشمنوں کے لیے کر سکتا ہے، لیکن مرید تو دوست ہوتا ہے، وہ دوستوں سے اپنے غم کو چھپائے گا؟ فوراً کہہ دے گا کہ آج اس بات سے یہ بات ہوئی، مستقبل کے لائحۂ عمل کو ماضی کی طرف لے جانا یہ بھی عقل کا فتور ہے اور عقل کی کمی ہے۔

دیکھو شیطان نے کیسا بے وقوف بنایا کہ یہ ماضی کی باتیں سوچ رہے ہیں کہ شاید شیخ ناراض ہے، اگر میں ناراض ہوتا تو تم پر ظاہر کرنا میرا فرض تھا، بلکہ بعض وقت میں شیخ پر یہ بھی فرض ہے کہ اگر مرید نہ سمجھ پا رہا ہو تو اس کو بتا دے کہ اس سے یہ خطا ہوئی تاکہ وہ جلدی سے معافی مانگ لے اور اس کا بھی معاملہ بن

جائے اور شیخ کا بھی دل صاف ہو جائے۔ اگر میں ناراض ہوتا تو آپ کو فوراً حکم دیتا کہ آپ معافی مانگو لہٰذا یہ سوچنا کہ شیخ کے دل میں میرے لیے ناراضگی ہے لیکن وہ مجھے بتا نہیں رہا ہے یہ بدگمانی بھی حرام ہے اس سے بھی توبہ کرو۔ وہ شیخ ہی نہیں ہے جو اپنی روحانی اولاد سے دل میں رنج رکھے اور ظاہر نہ کرے، یہ کوئی شیخ ہے؟ یہ بھی محبت کے خلاف ہے۔ (از: حکیم اختر)

شیخ پر شانِ رحمت کا غلبہ ہونا چاہیے

اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے اور حضرت آدم علیہ السلام کو رَبَّنَا ظَلَمْنَا نہ سکھاتے تو حق تعالیٰ کی رحمت کے خلاف ہوتا کہ نہیں؟ تو ارحم الراحمین کی شان دیکھیے فَتَلَقّٰی

اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کلمات لیے اور اللہ نے انہیں رَبَّنَا ظَلَمۡنَا سکھایا، توجس طرح اللہ ارحم الراحمین ہے شیخ پر بھی شانِ رحمت کا غلبہ ہونا چاہیے، اس کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ اگر کوئی بات اس کو کھٹکے تو مرید پر ظاہر کردے اور اس کو معافی کے لیے مشورہ دے۔ پوچھو میر صاحب سے، جب کبھی ان سے غلطی ہوئی میں نے فوراً ان سے کہا کہ جلدی سے معافی نامہ لکھو تاکہ دل کو صاف کرلیا جائے۔

میں نے تو مستقبل کے لیے اللہ کی ناراضگی اور اپنی تکلیف سے مرید کو بچانے کے لیے اور مرید کو خوش نصیب بنانے کے لیے ایک خاکہ پیش کیا ہے، تو اس سے خوش ہونا چاہیے کہ شیخ مجھے مستقبل کے لیے ایک راستہ بتا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اسے ایک خاکہ سمجھے وہ شیخ کی ساری تقریر میں اپنے ماضی کے مُردوں کو ہی سوچ رہا ہے کہ چل کر قبرستان کے مردے اکھاڑنے ہیں، جب شیخ معاف کردے تو ماضی کے گناہ کو یاد کرنا بھی حرام ہے۔

میں نے ایک دفعہ اپنے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دو مہینے پہلے ایک خطا ہوگئی تھی، میں نے معافی تو مانگ لی تھی مگر پھر وسوسہ آرہا ہے کہ معافی مانگنی چاہیے، لہٰذا پھر معاف کردیجیے۔ فرمایا کہ دیکھو جب مردہ دفن کردیا جاتا ہے پھر اس کو اکھاڑا نہیں جاتا۔ ایک دفعہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی لکھا تھا کہ مجھ کو ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں تو حضرت نے یہ نہیں لکھا کہ تم مجھ

سے بدگمانی کرتے ہو بلکہ یہ لکھا کہ میں آپ سے بہت خوش ہوں، بہت خوش ہوں، بہت خوش ہوں۔ (از: حکیم اختر)

شیخ سے بدگمانی شیطانی چال ہے

تو ازراہِ شفقت ایک لائحۂ عمل پیش کررہا ہوں تاکہ میرے احباب مستقبل میں کبھی تکلیف اور ایذارسانی کا سبب نہ بنیں، مگر شیطان دشمن نے ماضی میں لگادیا، ہم مستقبل پیش کررہے ہیں شیطان ان کو ماضی میں لگارہا ہے، کتنا خبیث ہے، کتنا چالاک ہے، کتنا خطرناک ہے کہ شیخ لائحۂ عمل مستقبل کا پیش کررہا ہے اور شیطان ماضی کے مُردوں کو جگارہا ہے کہ کوئی خطا ہے جو شیخ ہم سے ناراض ہے۔ بدگمانی پیدا کرنا شیطان کا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے ابلیس کے شر سے پناہ مانگو۔

(مولانا یونس پٹیل صاحب نے عرض کیا کہ میر صاحب کی وجہ سے ہمیں کتنے قیمتی سبق ملے تو فرمایا کہ) یہی تو کہہ رہا ہوں کہ شیطان بعض وقت بے موقع وسوسہ ڈالتا ہے حالاں کہ شیخ بالکل خوش ہے، اس کے لیے دعائیں مانگ رہا ہے۔ میں میر صاحب کے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! جیسے یہاں ساتھ ہیں جنت میں بھی ان کو میرے ساتھ رکھیے، اگرچہ ہم اس قابل نہیں ہیں، لیکن آپ کا کرم ہماری قابلیتوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ اختر کو اور میرے سارے احبابِ عالم کو، حاضرین وغائبین کو اور میری ذُرِّیات کو جنت میں بھی اپنی رحمت اور اپنے کرم سے اکٹھا رکھے تو یہ دعا مانگنا شفقت نہیں ہے؟

یاد رکھو! شیخ چاہتا ہے کہ میرے احباب سے مستقبل میں بھی کوئی خطا نہ ہو، اس کے لیے کچھ اصول وہدایات کرتا رہتا ہے، اس سے یہ نہ سمجھو کہ ماضی کی باعثِ اذیت خطائیں ان کے دل میں ہیں، یہ شیطان کی بہت بڑی چال ہے کہ شیخ سے بدگمان کرتا ہے کہ شیخ ہم سے ناراض ہے، جب کبھی ایسا وسوسہ آئے شیطان سے کہہ دو کہ شیخ مجھ سے بہت خوش ہے، اگر ناراض ہوتا تو اس کا اظہار کرنا اس پر واجب ہے، ہمارا شیخ ایسا بے وقوف نہیں ہے، شیخ ہم سے کہہ دیتا کہ ہم تم سے فلاں بات پر ناراض ہیں، شیخ کے لیے دل میں بدگمانی رکھنا حرام ہے جبکہ وہ مرید معافی بھی مانگ لے، جب معافی مانگ لی تو پھر دل میں کیوں رکھے؟ لیکن اندیشۂ صدورِ خطا کی وجہ سے وہ کبھی کبھی مستقبل کے لیے لائحۂ عمل پیش کرتا ہے، اس سے ماضی کی کوئی خطا مت سوچو کہ یہ ماضی کی کسی خطا پر سرزنش ہے، جب معاف کردیا تو معاف کردیا اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ جب تم لَا ذَنْبَ ہو گئے تو پھر دنبہ کیوں بنتے ہو؟ (از: حکیم اختر)

سلام کا جواب نہ ملنے پر بدگمانی سے بچیں

سلام کا جواب دینا واجب ہے، بلا وجہ جواب نہ دینا، نفرت وعداوت کا سبب ہوجاتا ہے؛ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسے سلام کیا گیا ہے، اُس پر استغراقی کیفیت طاری ہے، کوئی فکر دامن گیر ہے یا ایسے حالات ہیں، جن حالات میں انسان آس پاس کی چیزوں سے بے خبر ہوجاتا ہے، ایسے شخص کو کسی نے سلام کیا

اور اُس نے جواب نہیں دیا تو اس سے شکایت پیدا ہوجانا ایک فطری کمزوری کا نتیجہ ہے؛ لیکن اول مرحلہ میں اُس سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ مثبت اسباب تلاش کرنے چاہئیں، بدگمانی سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ کے پاس سے گذرے اور حسبِ عادت سلام کیا، حضرت عثمانؓ نے کوئی جواب نہیں دیا، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس یہ شکایت خیریت پوچھنے سے متعلق مزید روایتیں: (۱) عن خثیمة قال: سألت عائشة: كيف أصبحت؟ قالت بنعمة۔ (۲) عن مغيرة قال: سمعت إبراهيم وسلّم عليه فقال: وعليكم، فقال: كيف أنت؟ قال بنعمة الله۔ (۳) عن عطاء بن السائب أن أبا عبد الرحمان السلمي كان إذا قيل كيف أنت؟ قال: بخير نحمد الله، تفصیل کے لیے دیکھیے: (المصنف ۶/ ۱۴۷، باب فی الرجل یقال لہ: کیف أصبحت)

لے کر آئے کہ حضرت عثمانؓ نے اُن کو سلام کا جواب نہیں دیا، دونوں حضرات اُسی وقت حضرت عثمانؓ کے پاس وجہ دریافت کرنے کے لیے تشریف لائے، حضرت عثمانؓ نے عذر بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کا سلام تو دور کی بات، اُن کے گذرنے کی آہٹ بھی مجھے محسوس نہ ہوسکی؛ کیوں کہ اس وقت میرے اوپر گہری فکر سوار تھی، میں اُس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ امت کی نجات کس عمل میں ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنا بھول گیا؛ حالاں کہ وہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے، حضرت صدیقؓ نے

فرمایا کہ میں نے پوچھا تھا تو آں جناب نے فرمایا تھا کہ نجات کے لیے وہی کلمات ہیں جو میں نے ابوطالب پر پیش کیے تھے یعنی لا الہ الا اللہ جو ان کو پڑھ لے اور عمل کرلے تو یہ اس کے لیے سرمایۂ نجات ہے۔ (مسند ابی یعلی الموصلی، رقم: ۱۳۳)

نیک لوگوں کی زیارت اور دعا وسلام کا مزاج بنائے

اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں اُن کی زیارت، اُن سے ملاقات، ان کی صحبت میں کچھ دیر بیٹھنا، اُن سے دعائیں لینا اور اُن کی باتوں کو سننا یقینا کار ثواب ہے، دلوں کی دنیا بدلنے میں بزرگوں کی زیارت اپنا ایک الگ مخصوص مقام رکھتی ہے، رویۃ الصالحین لہا أثر عظیم ۔کونوا مع الصادقین۔

اس لیے بزرگانِ دین اور صادقین وصالحین کی زیارت سے فائدہ اٹھانا چاہیے، اُن سے دعا وسلام کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیے، اُن سے مصافحہ کرنا چاہیے، احادیث میں بھی اِس کا حکم آیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مریض کی عیادت کی، یا اپنے بھائی سے ملاقات کی (دونوں کی محبت خالص، اللہ کے واسطے ہو) تو ایک آواز لگانے والا آواز لگاتا ہے، تم نے بڑا اچھا کام کیا، تمہارا چلنا مبارک ہو، اور تم نے جنت میں ایک ٹھکانا بنالیا۔ (ترمذی، رقم: ۲۰۰۸ فی البر والصلۃ)

علامہ نووی لکھتے ہیں:

یستحب استحبابا متأکدا زیارۃ الصالحین والإخوان

والجيران والأصدقاء والأقارب وإكرامهم وبرهم وصلتهم۔
کہ نیک لوگوں کی زیارت، اپنے دینی بھائی، پڑوسی، دوست واحباب اور دیگر رشتہ داروں کی زیارت وملاقات مستحب ہے، اُن کی عزت کرنا، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مستحب ہے۔(الاذکار:۳۰۵)

ملحوظہ: زیارتِ صالحین اور اُن سے سلام ومصافحہ کرنا مستحب تو ہے؛ لیکن ان کو ذہنی یا کسی قسم کی اذیت پہنچانا ناجائز ہے؛ اس لیے زیارت اور دعا وسلام ایسے اوقات میں اور ایسے طریقے سے کریں کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو، علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وينبغي أن تكون زيارته لهم على وجه لا يكرهونه وفي وقت يرتضونه۔(ایضا:۳۰۶)

دعا کی درخواست کیجیے

بزرگوں سے ملاقات ہوتو سلام ومصافحہ کے بعد مجلس میں ہی، یا رخصتی کے وقت، اُن سے دعا کی درخواست کیجیے؛ بلکہ عام حالات میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے، اہلِ فضل اور بزرگوں سے دعا کی درخواست تو کرنی ہی چاہیے ، چھوٹوں سے بھی یہ درخواست کرسکتے ہیں، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے دعا کی درخواست کی ہے، روایت پڑھیے: عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: استأذنت النبي صلى الله عليه وسلم في العمرة فأذن وقال: لا تَنْسَنَا يا أُخَيَّ من دعائك۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمرہ

پر جانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور فرمایا: بھائی مجھے اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا۔ (ابوداؤد، رقم: ۱۴۹۸، فی الصلاۃ)

خوش گمانی نعمت ومحبت اور بدگمانی ذریعہ نفرت وعداوت ہے

فرمایا: آج کل بدگمانی کی بیماری عام ہے اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ہمارے دینی مدارس بھی اس سے خالی نہیں رہے، عام حیثیت سے بھی اوران مدارس میں بھی ایک دوسرے سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہی بدگمانی اور غلط فہمی ہے، اس لیے ہمیشہ ایک دوسرے سے ذہن صاف رکھنا چاہیے۔خوش گمانی قائم رکھنی چاہیے اور بدگمانی کوراہ دینے والی کوئی بات سامنے آئے تو خلوص اور محبت کی فضا میں تحقیق کرلینی چاہیے۔ یاد رکھیے قیامت میں بدگمانی پر دلائل طلب کیے جائیں گے۔خوش گمانی پرنہیں۔اس لیے ایسا کام کیوں کیا جائے جس میں گرفت اور مواخذہ ہو اور وہ کام کیوں نہ کیا جائے جس میں چھوٹ اورآزادی ہو۔ (از: مولانا رضوان قاسمی)

اے ایمان والو! زیادہ بدگمانی سے بچو

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن یوسف، مالک، ابوالزناد، اعرج، حضرت ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور کسی کے عیوب کی جستجو نہ کرو اور نہ اس کی ٹوہ میں لگے رہو اور (بیع میں) ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو اور نہ حسد کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ کسی کی غیبت کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔

اللہ والوں پر الزام اور بدگمانی کرنے سے پرہیز کیجئے

ایمان لانے کے بعد ایمان پر جمے رہنا یہ اہم بات ہے۔ بعض لوگ ایمان تو لے آئے، لیکن ایمان کے تقاضوں پر جمتے نہیں، اپنی من مانی زندگی گزارتے ہیں، جو جی چاہا کرلیا، معلوم ہوتا ہے کہ جی کے غلام ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ ایک بزرگ جنگل میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا، پھر میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ بار بار یہی رٹ لگا رہے تھے کہ نہ تو میرا خدا نہ میں تیرا بندہ، تیرا کہنا کیوں مانوں؟

ایک مولوی صاحب اُدھر سے جا رہے تھے ان کی یہ بات سن کر کہنے لگے ھٰذَا کَافِرٌ وہ بزرگ بھی عربی جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا! ذرا اِدھر تو تشریف لائیے، آپ نے مجھ پر کفر کا فتویٰ کیوں لگایا؟ مولانا نے کہا آپ کہہ رہے ہیں، نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا تو میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ بزرگ نے ان سے کہا کہ پہلے آپ مجھ سے یہ بھی تو پوچھتے کہ میں یہ بات کس سے کہہ رہا ہوں؟ میرا مخاطب کون ہے؟ میں یہ

بات اپنے نفس سے کہہ رہا ہوں، میرا نفس بار بار مجھے ایک گناہ کے لیے اُکسا رہا تھا، اس لیے میں اپنے نفس سے کہہ رہا تھا کہ میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ تو میرا خدا نہیں ہے نہ میں تیرا بندہ ہوں، اللہ کا بندہ ہوں، اللہ جو کہیں گے وہ کروں گا، تیرا کہنا نہیں مانوں گا۔ تب انہوں نے کہا اچھا میں اپنا کفر کا فتویٰ اپنی جھولی میں واپس لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے بارے میں کسی قسم کا گمان قائم کرنے میں جلدی مت کرو، اللہ والوں کے بارے میں جلدی زبان مت کھولو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں ؎ متہم کم کن بدزدی شاہ را۔

یہاں کم بمعنیٰ ''بالکل نہیں'' کے ہے۔ بعض لوگ فارسی کے کم کو اُردو کے کم سے ترجمہ کرتے ہیں، کیوں کہ اس کا تو اُردو ترجمہ ہوگا کہ شاہ لوگوں کو، اللہ والوں کو چوری کی تہمت کم لگاؤ، جس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ تھوڑی تھوڑی تہمت لگا سکتے ہیں، لیکن جو فارسی نہیں جانتے وہ ہی ایسا ترجمہ کرتے ہیں۔ فارسی جاننے والے جانتے ہیں کہ فارسی میں کم کے معنیٰ مطلق نفی کے ہیں، یعنی کبھی ہرگز اللہ والوں کو چوری کا الزام نہیں لگانا ؎ متہم کم کن بدزدی شاہ را۔

شاہ کو تم چور کہتے ہو، اس کے خزانے میں کیا کمی ہے؟ اللہ کے خاص بندوں کو عیب مت لگاؤ، جیسے کوئی یہ کہے کہ فلاں بادشاہ کا ملازم استنجا کرنے گیا تو بادشاہ نے ایک ہزار روپے اس کی جیب سے چرا لیے۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین آئے گا؟ جبکہ وہ پانچ پانچ لاکھ کی ایک گاڑی خریدتا ہے۔ بتایئے ایسا بادشاہ

اپنے ملازم کا ایک ہزار روپیہ چرائے گا؟ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

متہم کم کن بدزدی شاہ را
عیب کم گو بندۂ اللہ را

کہ بادشاہ پر چوری کا الزام لگانا بے وقوفی اور حماقت ہے۔

اللہ والوں کو آزمانے والے خود ہی آزمائش اور بلاء میں مبتلا ہو جاتے ہیں

اللہ والوں پر کسی عیب کا الزام مت لگاؤ اور نہ ان کی عیب جوئی کرو، ورنہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہاڑ کے دامن کے ایک ذرے نے پہاڑ سے کہا کہ اے پہاڑ! میں تجھ کو تولوں گا، تو بہت ہی سر اُٹھائے ہوئے ہے، میں تجھے تولنا چاہتا ہوں کہ تجھ میں کتنا وزن ہے؟ تیری کیا بلندیاں ہیں؟ تو پہاڑ نے ہنس کر کہا: اے ذرۂ ناخلف، گستاخ، بدتمیز! اگر تو مجھے ترازو میں رکھے گا تو قبل اس کے کہ تو میری معرفت حاصل کرے تیری ترازو ہی ٹوٹ جائے گی، ترازو کا ہی پتا نہیں چلے گا۔ اللہ والوں کو آزمانے والے خود آزمایش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بلاؤں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

صحابہ پر تنقید ایمان کے تنزل کا سبب ہے:

غرض ان خلفاء کا اور اہل بیت کا ذکر کیا جاتا ہے تا کہ امت کو ان سے بدظن اور بد گمان اور ان کے بارے میں بدعقیدگی سے بچایا جا سکے۔ کیونکہ اگر ہمارا ذہن صحابہ کے بارے میں صحیح نہ ہو اور صحابہ کے بارے میں ہم تنقید کرنے لگیں اور ان پر

اعتراضات کرنے لگیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت سے ہمارے ایمان اور دین کا تنزل شروع ہو گیا، اس زمانے میں جن لوگوں نے فتنے کی بنیاد ڈالی ہے انہوں نے یہیں سے شروعات کی ہے کہ صحابہ کی عظمت ذہن سے مٹائی جائے، علماء کی عظمت لوگوں کے ذہنوں سے نکالی جائے، کیونکہ یہی دین کے ستون اور علم بردار ہیں، انہیں کے ذریعہ دین لوگوں تک پہنچا ہے، اس لئے اگر ان ستونوں ہی کو ہٹا دیا جائے تو پھر دین کی عمارت منہدم ہو جائے گی، دین کمزور پڑ جائے گا، اور پھر فتنہ پھیلانا اور امت میں ضلالت اور گمراہی پیدا کرنا اور امت کو غلط راستے پر ڈالنا آسان ہو جائے گا۔ (تذکیرات جمعہ)

بدگمانی کا علاج

اس لیے جب کسی سے کوئی بات صادر ہو جائے یا بے اختیار دِل میں کوئی بدگمانی آجائے، تو اس پر یقین نہ کریں۔ اس کی تصدیق کر کے خیالی پلاؤ پکانے کے بجائے تکذیب کریں یا تاویل کریں، اور اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے لیے ذکر اللہ کا التزام کریں، البتہ اگر کسی کا فسق و فجور بہت مشہور ہو جائے، یا پورے یقین اور پختہ ثبوتوں کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ وہ حسنِ ظن کا مستحق نہیں، تو اس صورت میں بھی وہی رائے قائم کی جائے جو حقیقت پر مبنی ہو۔ مبالغہ کی گنجائش اس وقت بھی نہیں؛ بلکہ ایسی صورت میں اس کی اور اپنی اصلاح کی فکر کریں اور بدگمانی کی چنگاری شعلہ بن کر فساد برپا کرے اس سے پہلے بدگمانی کا علاج کریں۔

حضرت تھانویؒ سے کسی نے بدگمانی کا علاج دریافت کیا، تو فرمایا: ''جب کسی کے بارے میں برا گمان دل میں آئے تو اولاً خلوت میں بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے، تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ سے عذاب کا اندیشہ ہے، تو اپنا نفس اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا؟ یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا کرے کہ اے اللہ! میرے دل کو پاک صاف کردے، پھر جس پر بدگمانی ہو اس کے حق میں دعاءِ خیر کرے کہ یا اللہ! اس کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں کم از کم ایک مرتبہ ایسا کرے، اگر پھر بھی اثر نہ ہو تو دوسرے تیسرے دن بھی ایسا ہی کرے، اگر اس سے بھی اثر نہ ہو تو پھر اس شخص سے مل کر کہے کہ بھائی! مجھ کو تم سے بدگمانی ہوگئی، لہٰذا معاف کردیجئے، اور میرے حق میں اس مرض کے دور ہونے کی دعا کیجئے! (کمالاتِ اشرفیہ: ۲۶۷) ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے بدگمانی ختم ہوجائے گی۔ (گلدستہ احادیث جلد 4)

حق تعالیٰ ہمیں حسنِ ظن کی نعمت سے مالا مال فرما کر سوءِ ظن سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات ہذیانات ہیں

مولوی محمد حسین بٹالوی غیر مقلد نے لکھا ہے: کہ'' امام الائمہ ابوحنیفہ علیہ الرحمہ پر جو اعتراضات ومطاعن اخبار اہل الذکر (یہ ان دنوں غیر مقلدین کا اخبار تھا) میں مشتہر کئے گئے ہیں کہ امام عالی مقام مجتہد نہ تھے اور وہ ان علوم سے جو اجتہاد کیلئے ماخذ و مصدر: (۱) تاریخ اہل حدیثضروری ہیں جیسے علم حدیث، علم لغت وغیرہ میں کافی بہرہ نہ رکھتے تھے اور اصول فقہ کے اول مدون نہ تھے اور اعتقاد میں حنفی نہ تھے،

بلکہ مرجی تھے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمداً اعراض کرتے تھے اور وہ نصوص چھوڑ کر پیروی رائے وقیاس کی کرتے تھے اوراس وجہ سے ان کے ہم عصر ائمہ واکابر جیسے امام سفیان ثوریؒ وامام جعفر صادقؒ اور امام باقرؒ وغیرہم ان کو برا کہتے ۔ یہ سب کے سب ہذیانات بلا استناد اکاذیب وبہتانات ہیں جن کا ماخذ زمانہ حال کے معترضین کیلئے حامد حسین شیعی لکھنوی کی کتاب استقصاء الافہام اور استیفاء الانتقام فی نقض منتہی الکلام کے سوا اور کوئی کتاب نہیں ہے ۔اس کتاب میں اس قسم کے مطاعن سے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے علاوہ کسی سنی امام (امام مالکؒ ،امام بخاریؒ وغیرہ) کو نہیں چھوڑا اور ایک ایک کا نام لے کر کئی کئی ورقوں بلکہ جزوں کو سیاہ کرڈالا ہے۔اخبار اہل الذکر کا ایڈیٹر اوراس کا حیدرآبادی نامہ نگار اگر اس کتاب کے مطاعن مذکورہ اوراس کے دلائل وسندات کو صحیح اور واجب التسلیم سمجھتے ہیں' تو پھر باقی اماموں (امام مالکؒ، امام بخاریؒ وغیرہ) کے حق میں ان مطاعن وبہتانات کو بھی صحیح سمجھ کر کھلے بند شیعہ کیوں نہیں ہوجاتے جیسا کہ مولوی عبدالحق بنارسی بھی یہ روش اختیار کرکے آخر شیعہ ہوگئے تھے ۔مگر آخر مرنے سے پہلے وہ مذہب شیعی سے تائب ہوگئے اور خدا کی توفیق ورہنمائی سے وہ سنی اہل حدیث ہوکر فوت ہوئے ۔(سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کی محدثانہ جلالت شان)

ائمہ سلف پر طعن کرنا شعبہ رفض ہے

اے برادران اسلام! عمل بالحدیث اور چیز ہے اور ائمہ سلف پر طعن کرنا شعبہ رفض ہے ۔ہمارے شیخ اور شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مرحوم اوران کے شیخ مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے اوران کے اقوال طبع ہوکر شائع ہوچکے ہیں: کہ ''جو شخص امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ وغیرہ ائمہ مجتہدینؒ کو برا

کہتا ہے، وہ چھوٹا رافضی ہے اور ہمارا بھی یہی مقولہ واعتقاد ہے کہ جو شخص امام ابوحنیفہؒ وغیرہ ائمہ مجتہدینؒ کو برا کہے اور ان کے علم ودیانت واجتہاد وتقوی پر طعن کرے۔ وہ علوم دین سے محض جاہل اور چاند پر تھوکنے کے سبب احمق اور ان اولیاء اللہ سے معاداۃ کی وجہ سے حدیث ''من عادیٰ لی ولیا فقد بارز اللہ بالمحاربۃ'' جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو اس نے اللہ سے جنگ کی' کا مصداق ہے۔'' (السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم: ۱۰۲، ۱۰۳ بحوالہ حقائق الفقہ بجواب حقیقۃ الفقہ: ۲۶، ۲۷)

اسلام پر ایک ہندو کا اعتراض اور مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کا منہ توڑ جواب

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک ہندو نے کہا کہ بکری اور سور میں کیا فرق ہے، شکل تو دونوں کی بالکل ملتی جلتی ہے، تو بکری آپ کے اسلام میں حلال ہے اور سور حرام ہے؟ تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہ جواب دیا کہ اگر تیری ماں میری بیوی کی ہم شکل ہو تو کیا تیری ماں میرے لیے حلال ہو جائے گی؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے اس جواب کا ردِّ عمل یہ ہوا کہ وہ رام رام کہتا ہوا ایسا تیز بھاگا کہ یہ تو عجیب ملّا ہے، اس نے تو مجھے عجیب وغریب جواب دیا۔ (آفتاب نسبت مع اللہ)

مذہب اسلام پر ایک اعتراض کا جواب

فرمایا کہ اس اعتراض کا کہ مسلمان کے مذہب کا دار ومدار آلہ تناسل پر ہے کیونکہ ختنہ کرتے ہیں تو اس سے مسلمان ہو جاتے ہیں ایک ولایتی نے بہت عمدہ جواب دیا کہ جس چیز پر کسی کی بنیاد ہوتی ہے اس کو وہ قطع نہیں کرتا مسلمان تو اس کو قطع کرتے ہیں اور ہندو اس کو باقی رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ ہندو مذہب کی بنیاد اسی پر ہے۔ (ملفوظات حکیم الامتؒ)

لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنا محمود ہے جب تک کسی مقصود شرعی پر اثر انداز نہ ہو

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس معاملہ کا اخفاء کیوں فرمایا جو سبب عتاب بنا۔ جواب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اصل مغالطہ جو قرآن وسنت سے ثابت ہے یہ ہے کہ جس کام کے کرنے سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہونے اور ان کے طعن و تشنیع میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے دین کی حفاظت اور ان کو طعن و تشنیع کے گناہ سے بچنے کے نیت سے چھوڑ دینا اس صورت میں تو جائز ہے جب کہ یہ فعل خود مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو، اور کوئی دینی حکم حلال وحرام کا اس سے متعلق نہ ہو، اگرچہ فعل فی نفسہ محمود ہو۔ اس کی نظیر حدیث وسنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں موجود ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی گئی تو اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف کر دی گئی ہیں اول تو یہ کہ بیت اللہ کا کچھ حصہ تعمیر سے باہر چھوڑ دیا، دوسرے بناء ابراہیمی میں لوگوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب میں دوسرا مغربی جانب میں، جس کی وجہ سے بیت اللہ میں داخل ہونے اور نکلنے میں زحمت نہ ہوتی تھی، اہل جاہلیت نے اس میں دو تصرف کئے کہ مغربی دروازہ تو بالکل بند کر دیا اور مشرقی دروازہ جو سطح زمین

سے متصل تھا اس کو اتنا اونچا کر دیا کہ بغیر سیڑھی کے اس میں داخلہ نہ ہو سکے، جس سے یہ مقصد تھا کہ وہ جس کو اجازت دیں صرف وہ اندر جا سکے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر نو مسلم لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو پھر بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا۔ یہ حدیث سب کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اپنا یہ ارادہ جو شرعاً محمود تھا اس کو ترک کر دیا، اور منجانب اللہ اس پر کوئی عتاب نہیں ہوا، جس سے اس عمل کا عند اللہ مقبول ہونا بھی معلوم ہو گیا۔ مگر یہ معاملہ بیت اللہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا ایسا نہیں جس پر کوئی مقصد شرعی موقوف ہو یا جس سے احکام حلال و حرام متعلق ہوں۔

بخلاف واقعہ نکاح زینب کے کہ اس سے ایک مقصد شرعی متعلق تھا کہ جاہلیت کی رسم بد اور اس خیال باطل کی عملی تردید ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام ہے۔ کیونکہ قوموں میں چلی ہوئی غلط رسموں کو توڑنا عملاً جب ہی ممکن ہوتا ہے جب اس کا عملی مظاہرہ ہو۔ حکم ربانی اسی کی تکمیل کے لئے حضرت زینب کے نکاح سے متعلق ہوا تھا۔ اس تقریر سے بناء بیت اللہ کے ترک اور نکاح زینب پر بارشاد خداوندی عمل کے ظاہری تعارض کا جواب ہو گیا۔

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حکم کی قولی تبلیغ جو سورۃ احزاب کی پہلی آیات میں آ چکی ہے اس کو کافی سمجھا اور اس کے عملی مظاہرہ کی حکمت

کی طرف نظر نہیں گئی، اس لئے باوجود علم وارادہ کے اس کو چھپایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں اس کی اصلاح فرمائی، اور اس کا اظہار فرمایا (آیت) لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیا ہیم اذا قضوا منہن وطراً، یعنی ہم نے زنیب سے آپ کا نکاح اس لئے کیا تا کہ مسلمانوں پر اس معاملے میں کوئی عملی تنگی پیش نہ آئے، کہ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کر سکیں۔

اور زوجنکہا کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کا نکاح آپ سے کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو یہ امتیاز بخشا کہ خود ہی نکاح کر دیا جو عام شرائط نکاح سے مستثنیٰ رہا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں ہم نے اس نکاح کا حکم دے دیا اب آپ شرعی قواعد وشرائط کے مطابق ان سے نکاح کر لیں۔ حضرات مفسرین میں بعض نے پہلے احتمال کو ترجیح دی، بعض نے دوسرے احتمال کو۔

اور حضرت زینب کا دوسری عورتوں کے سامنے یہ فرمانا کہ تمہارا نکاح تو تمہارے والدین نے کیا میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا، جیسا کہ روایات میں آیا ہے، یہ دونوں صورتوں میں صادق ہے۔ پہلی صورت میں زیادہ واضح ہے اور دوسری صورت بھی اس کے منافی نہیں۔ (از مفتی شفیع)

شہادت واعتراضات کے جواب کی تمہید

(آیت) سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوا مِن قَبلُ وَكَانَ اَمرُ اللّٰهِ قَدَراً مَّقدُوراً ، یہ تمہید ہے اس نکاح پر پیش آنے والے شکوک وشبہات کی کہ دوسری

ازواج کے ہوتے ہوئے اس نکاح کا اہتمام کس لئے کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ سنت ہے اللہ کی جو محمد مصطفی کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ سے پہلے انبیاء میں بھی جاری رہی ہے، کہ بمصالح دینیہ بہت سی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی، جن میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام زیادہ معروف ہیں کہ داؤد (علیہ السلام) کے نکاح میں سو اور سلیمان (علیہ السلام) کے نکاح میں تین سو بیبیاں تھیں۔ اگر رسول اللہ کے لئے دینی مصالح سے متعدد نکاح کی اجازت ہوئی اور یہ نکاح بھی ان میں شامل ہے تو کوئی وجہ استبعاد نہیں۔ نہ یہ شان نبوت و رسالت کے منافی ہے نہ زہد و تقویٰ کے۔ آخری جملے میں یہ بھی فرما دیا کہ نکاح کا معاملہ بھی عام رزق کی طرح منجانب اللہ طے شدہ ہے کہ کس کا نکاح کس سے ہوگا، تقدیر ازلی میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت زید اور زینب کے درمیان اختلاف طبائع اور زید کی ناراضی پھر طلاق دینے کا عزم یہ سب اسی تکوینی اور تقدیری امر کی کڑیاں تھیں۔

آگے ان انبیاء علیہم السلام کی خاص صفات کا ذکر ہے، جن کے لئے پچھلے زمانے میں متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت اوپر معلوم ہوئی ہے، فرمایا (آیت) الذین یبلغون رسلت اللہ، یعنی یہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب ہی اللہ تعالیٰ کے پیغامات اپنی اپنی امتوں کو پہنچاتے تھے۔ (از مفتی شفیع)

ایک حکمت

شاید اس میں انبیاء علیہم السلام کی کثرت ازواج کی حکمت کی طرف بھی اشارہ ہو کہ ان کے تمام اعمال واقوال امت کو پہنچنا ضروری ہیں، اور مردوں کا ایک بڑا حصہ

وقت کا اپنے زنانے مکان میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ گزرتا ہے، اس وقت میں جو کوئی وحی نازل ہو یا خود پیغمبر کوئی حکم صادر فرما دیں یا کوئی عمل کریں، یہ سب امت کی امانت ہے جس کو ازواج ہی کے ذریعہ سے باآسانی امت تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ دوسری صورتیں مشکلات سے خالی نہیں، اس لئے انبیاء کے لئے اگر بیبیاں زیادہ ہوں تو ان کی خانگی زندگی کے افعال واقوال اور ان کی خانگی سیرت عام امت تک پہنچنا سہل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

دوسری صفت انبیاء علیہم السلام کی یہ بیان کی گئی کہ (آیت) **ویخشونه ولا یخشون احداً الا الله**، یعنی یہ حضرات اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ بمصالح دینیہ اگر ان کو کسی کام کی عملی تبلیغ کا مامور کیا جاتا ہے وہ اس میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے، اگر کچھ لوگ اس پر طعنہ کریں تو اس سے نہیں ڈرتے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ جلد 7)

ایک اشکال اور جواب

یہاں جبکہ تمام زمرہ انبیاء کا یہ حال بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو اس سے پہلی آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ تخشی الناس (یعنی آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں)

یہ کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں انبیاء کا غیر اللہ سے نہ ڈرنا تبلیغ رسالات کے معاملے میں بیان ہوا ہے، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوف طعنہ زنی کا ایک ایسے کام میں پیش آیا جو بظاہر ایک

دنیوی کام تھا، تبلیغ و رسالت سے اس کا تعلق نہ تھا۔ پھر جب آیات مذکورہ سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ نکاح بھی عملی تبلیغ و رسالت کا ایک جز ہے تو اس کے بعد آپ کو بھی کسی کا خوف طعن و تشنیع مانع عمل نہیں ہوا، اور یہ نکاح عمل میں لایا گیا، اگرچہ بہت سے کفار نے اعتراضات کئے اور آج تک کرتے رہتے ہیں۔

کفار نے اعتراضات کئے اور آج تک کرتے رہتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (40)

ترجمہ: محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیزوں کا جاننے والا۔

لعن طعن کا ظہور قیامت کی علامتوں میں سے ہے

إذا ظهر فيهم التلاعن ،، (یعنی جب ان میں باہمی لعن طعن عام ہوجائے) جیسا کہ آج دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگ ہر کسی سے بدظن اور ہر کسی کے خلاف بدزبانی و بدکلامی اور لعن طعن پر آمادہ نظر آتے ہیں، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ نہ اسلاف کو بخشتے ہیں، نہ اخلاف کو، نہ اچھوں کو، نہ بروں کو، نہ بڑوں کو، نہ چھوٹوں کو؛ اسی طرح مختلف جماعتیں اور پارٹیاں ایک دوسرے پر لعن طعن کرتی ہیں اور ایک دوسرے کی تغلیط وتردید، تفسیق وتکفیر کرتی ہیں، یہ سب اس حدیث کا مصداق ہے۔ مگر یہاں جاننا چاہیے کہ اس لعن طعن اور تکفیر اور تفسیق سے مراد وہ ہے، جو محض تعصب و جہالت اور نفسانیت وشرارت کی بنا

پر ہواور جو حضراتِ علماء کسی کی تردید وتکفیر کرتے ہیں، جس کا مقصد ''شہادت علی الحق'' کا فریضہ انجام دینا اور لوگوں کو گمراہی سے بچانا ہوتا ہے، وہ اس میں داخل نہیں، ہاں! جو علمائے سو محض اپنی بدعات وخرافات کے رواج دینے کے لیے علمائے حق پر لعن طعن کرتے ہیں، وہ اس کا ضرور مصداق ہیں۔ فافہم (خوب سمجھ لو!!) (حدیث نبوی اور دور حاضر کی فتنے)

لعن طعن مسلمان کا شیوہ نہیں

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایکون المؤمن لعاناً۔ (ترمذی ص:۲۲ ج:۲ باب ماجاء فی اللعن والطعن)

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔''

اور ارشاد ہے۔

ولا تلاعنوا بلعنۃ اللہ ولا بغضب اللہ ولا بالنار۔ (ابوداؤد ص:۳۱۶ ج:۲ باب فی اللعن کتاب الادب)

''ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت نہ ڈالو اور آپس میں یوں نہ کہو کہ تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور نہ یوں کہو کہ آگ میں جلے۔''

جو کسی پر ناحق لعنت کرتا ہے وہ لعنت اسی پر لوٹ آتی ہے

اور حضرت ابوداؤدؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ انسان جب کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف پرواز کرتی

ہے وہاں اس پر دروازے بند کردیئے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف اتر جاتی ہے تو زمین کے دروازے بھی بند کردیئے جاتے ہیں پھر دائیں بائیں کا رخ کرتی ہے جب کسی جگہ کوئی راستہ نہیں پاتی تو پھر اس شخص پر لوٹ آتی ہے جس پر لعنت کی ہے اگر وہ لعنت کا مستحق تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے ورنہ اس شخص پر آکر پڑتی ہے جس نے منہ سے لعنت کے الفاظ نکالے تھے۔ (ابوداؤد ص:۳۱۶ ج:۲ باب فی اللعن کتاب الادب)

کسی شخص کی تعریف اس کے منہ پر اس وقت کریں جب اس کے عجب کا اندیشہ نہ ہو

کسی شخص کی بالمشافہ تعریف کرنا ممنوع ہے تاہم اگر تعریف حقائق پر مبنی ہے اور ممدوح کا کبر عجب میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور مدح کرنے والے کی نیت بھی صحیح ہو یعنی ریا اور طلب جاہ وغیرہ اس میں ملحوظ نہ ہو تو جائز ہے مگر ان شرائط کا موجود ہونا آج کل چونکہ نادر قلیل ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ کہ ممدوح کی موجودگی میں اس کی مدح سے گریز کیا جائے۔

اور ایسی ستائش جس میں صداقت نہ ہو بلکہ محض مبالغہ جھوٹ اور خرافات پر مبنی ہو بہر حال واجب الاحتراز ہے۔ کیونکہ ایسی تعریفات کم از کم چھ واجب الاجتناب باتوں پر مبنی ہوتی ہیں چار مادح کی جانب میں اور دو ممدوح کے حق میں چنانچہ امام غزالی رقمطراز ہیں۔

والمدح یدخلہ ست آفات اربع فی المادح واثنان فی الممدوح۔

مدح کرنے سے چھ آفتیں جنم لیتی ہیں چار مادح کی جانب میں اور دو ممدوح کے حق میں پھر اس کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مدح کرنے والے کو جو پہلا نقصان ہوتا ہے وہ جھوٹ بولنا ہے کہ مادح کبھی مدح

میں مبالغہ کرتا ہے جس میں جھوٹ لازم آتا ہے۔ دوم ریاء کیونکہ وہ ممدوح کو اپنی محبت اور عقیدت کا باور کراتا ہے جو درحقیقت کبھی اس میں موجود نہیں ہوتی ہے اور یہ تو منافقت ہے۔ سوم بے بنیاد اور فضول بات کا کہنا کیونکہ وہ کبھی ایسے امور پر تعریف کرتا ہے جس کی حقیقت کا اسے علم نہیں ہوتا ہے۔ چہارم ممدوح کبھی فاسق ہوتا ہے اور اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے حالانکہ فاسق کو خوش کرنا مناسب نہیں۔

اور ممدوح کے لئے جو چیز نقصان دہ ہے وہ ایک تو تکبر اور خود پسندی وغیرہ کا پیدا ہونا ہے اور دوسرے اس کے عمل میں فتور کا واقع ہونا ہے یعنی جب وہ اپنی تعریف سنے گا تو اسے اپنے بڑے آدمی کے باور ہونے کے ساتھ ساتھ نیک عمل میں سستی بھی لاحق ہوجائے گی جس کا وبال اظہر من الشمس ہے۔'' (احیاء علوم الدین ص:۱۵۶ ج:۳)

اور یہی وجہ ہے کہ جب ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا۔

ویحك قطعت عنق صاحبك یقوله مراراً ۔ (بخاری ص ۸۹۵ ج:۲ باب ما یکرہ من التمادح مسلم ص:۴۱۴ ج:۲ باب النہی عن المدح الخ)

''ارے تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی اور یہ ارشاد بار بار دہراتے رہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے سے تو آدمی دینی اعتبار سے ہلاک ہوجاتا ہے کہ خود پسندی اور تکبر وغیرہ میں واقع ہونے سے آدمی دین کے کسی مثبت نتیجہ خیز کام کا نہیں رہتا جس طرح گردن کٹنے سے دنیاوی کام کا نہیں رہتا۔

یہ ارشاد تو مادح (مدح کرنے والے) کے لئے ہے دوسری طرف ممدوح کو بھی چاہیئے کہ اگر کوئی اس کی تعریف کرے تو وہ ضبط نفس کے جملہ اصولوں پر

کاربند رہے اور اپنے عیوب پر نگاہ جمائے کیونکہ آدمی کی قابل ستائش صفات اکثر ظاہر ہوتی ہیں جو دور سے نظر آتی ہیں مگر اس کے عیوب اور مذموم اوصاف مخفی اور مستور رہتے ہیں لہٰذا کوئی شخص ظاہری خوبیوں کی بناء پر اس کی تعریف کرے تو اسے اپنی خامیوں پر نظر غائر کر کے اپنے ظاہر اور باطن کا موازنہ کرنا چاہئے۔ یہ علاج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے آشکارا ہو جاتا ہے۔

اذا رأيتم المداحين فاحثوا فى وجوههم التراب۔ (مسلم ص: ۴۱۴ ج: ۲ باب النہی عن المدح اذا کان فیہ افراط)

''جب تم مدح کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ پر خاک ڈالو۔''

یعنی ان کی تعریف کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ خوش ہو کر ان کو انعامات دینے لگو کیونکہ وہ لوگ کسی چیز کے مستحق نہیں بلکہ ان کی اس مدح کی تردید کرو تا کہ ہلاکت سے بچ سکو!

تنبیہ و معذرت

یہ آفات لسان کا مختصر تعارف اور ان کے انجام بد کا اجمالی تذکرہ تھا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زبان کی تباہ کاریاں صرف یہی ہیں وبس۔ بلکہ اب بھی کافی مباحث تشنہ بیان ہیں بلک مذکورہ سرخیوں کے ذیل میں بھی بہت سارے مباحث محتاج تفصیل رہ چکے جن کو خوف طوالت کی وجہ سے اشارہ قلم کے سوا اور کچھ نہ دیا جا سکا۔

تاہم ان مہلکات کے ذکر کے بعد امید واثق کی جاتی ہے کہ ہوشمند آدمی انکے ضمن میں آیات اور احادیث کی روشنی میں ان آفتوں سے بچ نکلنے میں بھی کامیاب

ہو جائے گا جن کا صراحۃً ذکر نہیں ہوا بشرطیکہ وہ راہ راست کا متلاشی ہو۔

عورتیں زیادہ جہنم میں کیوں جائیں گی

عورتوں کی ایک خامی حدیث میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ بکثرت لعن طعن کرتی ہیں ، چنانچہ بہت سی عورتوں کے نزدیک لڑائی جھگڑے میں لعنت کرنا کوئی معیوب اور بُرا نہیں سمجھا جاتا، یہی وجہ ہے کہ معمولی معمولی بات پر عورتیں ایک دوسرے کو اور بچوں کو کوستی ہوئی نظر آتی ہیں، حالآنکہ شرعاً اور اخلاقاً کسی طرح یہ درست نہیں اور اِس سے اِنسان کا خود اپنا وقار مجروح ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کی نگاہ میں گرجاتا ہے ۔چنانچہ حدیث میں ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کی جہنم میں کثرت بیان کرتے ہوئے اُس کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ یہ بھی بیان فرمائی: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ "یعنی تم لوگ لعن طعن بہت کثرت سے کرتی ہو۔ (بخاری:304)

عورتیں مصائب میں صبر نہیں کرتیں اس لئے اجر سے محروم رہتی ہیں

عورتوں کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ شدائد و مصائب میں صبر و تحمّل نہیں کرتیں اور بے صبری اور گلے شکوے کرنے لگتی ہیں، جزع فزع کرنا شروع کردیتی ہیں، رونا دھونا، چیخنا چلّانا، نوحہ و بین کرنا اور غم کا ناجائز طریقہ اختیار کرنے لگ جاتی ہیں، جس سے مصائب و آلام کے اجر و ثواب سے محرومی بھی ہوتی ہے اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا ۔عورتوں کی اِس "بے صبری اور عدمِ برداشت" کی صفت کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے عورتوں کی اکثریت کو "فسّاق" اور

"اہلِ نار" قرار دیتے ہوئے اُس کی وجہ یہ بیان کی: "إِذَا أُعْطِيْنَ لَمْ يَشْكُرْنَ، وَإِذَا ابْتُلِيْنَ لَمْ يَصْبِرْنَ" عورتوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب اُنہیں کچھ دیا جاتا ہے تو شکر نہیں اداء کرتیں اور جب مصائب میں مبتلاء ہوتی ہیں تو صبر سے کام نہیں لیتیں ۔(مسند احمد:15531)

ایک اور روایت میں ہے، حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک جانب عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، میں بھی عورتوں میں موجود تھیں، آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، إِنَّكُنَّ أَكْثَرُ حَطَبِ جَهَنَّمَ" اے عورتوں کی جماعت! تم لوگ جہنم کے سب سے زیادہ ایندھن ہوگے، حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بات کرنے میں عورتوں سے زیادہ جرأت کرنے والی تھی اِس لئے میں نے کہا: یارسول اللہ! کس لئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لِأَنَّكُنَّ إِذَا أُعْطِيتُنَّ لَمْ تَشْكُرْنَ، وَإِذَا ابْتُلِيتُنَّ لَمْ تَصْبِرْنَ، فَإِذَا أُمْسِكَ عَنْكُنَّ شَكَوْتُنَّ" اِس لئے کہ تم لوگوں کو جب دیا جاتا ہے تو تم شکر نہیں کرتیں، جب تم پر آزمائش آتی ہے تو صبر سے کام نہیں لیتیں، جب تم سے کوئی چیز روک لی جاتی ہے تو تم شکوے کرنے لگ جاتی ہو۔ پھر آپ نے اِرشاد فرمایا: "وَإِيَّاكُنَّ وَكُفْرَانَ الْمُنَعِّمِينَ" اور تم لوگ نعمت دینے والوں کی ناشکری سے بچو، میں نے کہا: یارسول اللہ! احسان کرنے والوں کی ناشکری سے بچنا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اِرشاد فرمایا: "اَلْمَرْأَةُ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ وَقَدْ وَلَدَتْ

لَهُ الْوَلَدَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ فَتَقُولُ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ" عورت کسی مَرد کے پاس (بیوی کی حیثیت) سے ہوتی ہے جس سے اُس کے دو یا تین بچے ہوجاتے ہیں اور وہ پھر بھی (شوہر سے) یہ کہتی ہے کہ میں نے تو تمہارے اندر کبھی تھوڑی سی بھی خیر نہیں دیکھی۔ (طبرانی کبیر:24/68)

عورتوں میں ناشکری بہت زیادہ ہوتی ہے

عورت کی ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ وہ ناشکری اور ناقدری ہو، شکایت و ناشکری کے کلمات ہر وقت اُس کی زبان پر ہوں، احسان فراموشی اُس کے مزاج و طبیعت کا حصہ بن جائے اور بڑے سے بڑے احسانات اُس کے نزدیک بے معنی اور بے حقیقت ہوجاتے ہوں۔ ایسی عورتوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں مذمّت فرمائی ہے اور اُن کیلئے سخت وعیدیں بیان کی ہیں، چنانچہ کئی احادیث میں آپ ﷺ نے جہنم میں عورتوں کی کثرت بیان کرکے اس کی وجہ عورتوں کی ناشکری اور احسان فراموشی بیان فرمائی۔ (بخاری:304)

ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے کثرت سے عورتوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا، کسی عورت کے سوال کرنے پر اس کی وجہ یہ اِرشاد فرمائی: "إِنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ" کیونکہ تم کثرت سے شکوے شکایت اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ (مسند احمد:14420)

ایک اور روایت میں ہے، نبی کریم ﷺ نے اِرشاد فرمایا: "لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ

إِلَى امْرَأَةٍ لَا تَشْكُرُ لِزَوْجِهَا، وَهِيَ لَا تَسْتَغْنِي عَنْهُ" اللہ تعالیٰ اُس عورت کی جانب نظرِ رحمت نہیں فرماتے جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہ ہو (یعنی ناشکری کرتی ہو) حالآنکہ وہ شوہر سے مستغنی نہیں ہوتی۔ (مستدرکِ حاکم:2771)

حضرت اُمّ سلمہ نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتی ہیں: "إِنِّي أُبْغِضُ الْمَرْأَةَ تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا تَجُرُّ ذَيْلَهَا تَشْكُو زَوْجَهَا" میں اُس عورت کو ناپسند کرتا ہوں جو اپنے گھر سے دامن گھسیٹتے ہوئے نکلے اور اپنے شوہر کے شکوے شکایت کرتی ہو۔ (طبرانی کبیر:23/323)

اِس سے متعلّق بہت سی احادیث وروایات عورتوں کی خوبیوں کے بیان میں "شوہر کا شکر گزار ہونا" کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں، وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، البتہ یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ وہ کون سے اسباب اور عوامل ہیں جن کی وجہ سے عورتوں میں ناشکری اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، انہیں پڑھئے اور بچنے کی کوشش کیجئے:

عورتوں میں ناشکری کے جذبات پیدا ہونے کی وجوہات

عورتوں میں ناشکری کے جذبات کیسے اور کیوں کر آتے ہیں، اس کی کئی وجوہات ہیں، البتہ غور وتدبّر سے یہ سمجھ آتا ہے کہ مندرجہ ذیل کچھ اہم اُمور بطورِ خاص اس کا سبب بنتے ہیں:

(1) عورتوں کا عورتوں کے ساتھ کثرت سے اختلاط۔ (2) زیب وزینت اور بناؤ

سنگھار میں حد سے زیادہ انہماک۔(3) ڈراموں اور فلموں وغیرہ کا دیکھنا (4) بازار اور شاپنگ سینٹر وغیرہ میں کثرت سے آتے جاتے رہنا۔(5) صحیح تربیت کا فقدان۔(6) علمِ دین سے نابلد ہونا۔(حضرت مولانا مفتی محمد سلمان زاہد صاحب)

اپنے سے اوپر درجہ کے لوگوں کا دیکھنا

ناشکری کا ایک بڑا سبب جو خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اِنسان دنیا کے اعتبار سے اپنے اوپر درجہ کے لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے لگے، کیونکہ اِس سے دل میں احساسِ کمتری پیدا ہوتا ہے، دوسروں کی قیمتی اور اعلیٰ چیزوں کو دیکھ اپنی چیزوں کی ناقدری پیدا ہونے لگتی ہے اور انسان رفتہ رفتہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ناشکرا بننے لگ جاتا ہے اُس کی زبان پر ہر وقت شکوے اور شکایتوں کا انبار لگ جاتا ہے۔مندرجہ ذیل روایات میں اس کی صراحت موجود ہے:

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: "اُنْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ" دنیا (کے مال واسباب کے اعتبار سے) اپنے سے کم تر کو دیکھو، اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھو کیونکہ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی (عطاء کردہ) نعمت کی بے قدری سے بچ جاؤ گے۔(مسلم:2963)

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: "إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ

أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ" جب تم میں سے کوئی شخص اس شخص کو (رشک کی نظر سے) دیکھے جسے مال اور جسم کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے تو وہ اس شخص کو بھی دیکھے جسے اس کی نسبت کم درجے میں رکھا گیا ہے۔ (مسلم:2963)

حضرت انس بن مالک نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: "مَنْ نَظَرَ فِي الدِّينِ إِلَى مَنْ فَوْقَهُ وَفِي الدُّنْيَا إِلَى مَنْ تَحْتَهُ كَتَبَهُ اللهُ صَابِرًا شَاكِرًا، وَمَنْ نَظَرَ فِي الدِّينِ إِلَى مَنْ تَحْتَهُ وَنَظَرَ فِي الدُّنْيَا إِلَى مَنْ فَوْقَهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ صَابِرًا وَلَا شَاكِرًا" جو شخص دین میں اپنے سے اوپر والے کو اور دنیا میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے صابر وشاکر لکھ دیتا ہے اور جو شخص دین میں اپنے سے نیچے والے کو اور دنیا میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے صابر وشاکر نہیں لکھتے۔ (شعب الایمان:4255)

عورتوں میں حساسیت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا جب وہ دنیا کے اعتبار سے اپنے سے اوپر کے درجہ کی عورتوں کے ساتھ بیٹھتی ہیں تو وہ اِس اثر کو بہت زیادہ اور بہت تیزی سے قبول کرتی ہیں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ شادی بیاہ میں عورتیں جب اکٹھی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے زرق برق لباس و پوشاک کو دیکھتی ہیں، چمکتے دمکتے زیورات کو دیکھتی ہیں، بیوٹی پارلر کے بنے ہوئے ایک دوسرے کے میک اَپ کا نظارا کرتی ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ حرص وطمع کی صورت میں نکلتا ہے اور سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود بھی "مزید کی جستجو اور موجود کی ناقدری" ہونے لگ جاتی ہے۔

ایک بڑا عیب عورتوں میں: مردوں کی جانب مائل ہونا اور انہیں مائل کرنا ہے

ایک خامی عورتوں کی یہ ہے کہ وہ اپنے انداز اور طور طریقوں سے اور لباس و پوشاک سے مَردوں کو اپنی جانب مائل کریں بلکہ خود بھی مَردوں کی طرف مائل ہوں، ایسی عورتوں کو آپ ﷺ نے جہنمی عورتیں قرار دیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: "صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ، مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَ كَذَا" دوزخیوں کی دو قسمیں ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا: ایک تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کے کوڑے ہوں گے، وہ لوگوں کو اس سے ماریں گے، دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی (یعنی اُن کا لباس نیم عُریاں، چست اور اِس قدر باریک ہوگا کہ کپڑوں میں بھی برہنہ نظر آئیں گی)، مَردوں کو اپنی جانب مائل کرنے والی ہوں گی اور خود بھی مَردوں کی طرف مائل ہوں گی، ان کے سر بختی (یعنی ایک مخصوص قسم کے) اونٹ کی کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے ہوں گے، وہ جنت میں نہ جائیں گی (اور جنّت میں جانا تو درکنار) اس کی خوشبو بھی ان کو نہ ملے

گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی دُور سے آ رہی ہو گی۔ (مسلم:2128)

شوہر کے مال اور عزت میں خیانت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں اُنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شبِ معراج کے واقعہ میں عذاب کے مختلف واقعات اور اُن میں مبتلاء لوگوں کا دیکھنا نقل کیا ہے، اُنہی میں ایک یہ بھی ہے: "ثُمَّ أَتَى عَلَى قَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ لَحْمٌ فِي قِدْرٍ نَضِيجٌ، وَلَحْمٌ آخَرُ نِيءٌ خَبِيثٌ، فَجَعَلُوا يَأْكُلُونَ الْخَبِيثَ وَيَدَعُونَ النَّضِيجَ الطَّيِّبَ" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے آگے ہانڈی میں ایک گوشت پکا ہوا اور دوسرا کچا اور گندا تھا، اور وہ لوگ پاکیزہ پکے ہوئے گوشت کو چھوڑ کر گندا گوشت کھانے میں لگے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل امین نے فرمایا: "الرَّجُلُ مِنْ أُمَّتِكَ يَقُومُ مِنْ عِنْدِ امْرَأَتِهِ حَلَالًا، فَيَأْتِي الْمَرْأَةَ الْخَبِيثَةَ، فَيَبِيتُ مَعَهَا حَتَّى يُصْبِحَ، وَالْمَرْأَةُ تَقُومُ مِنْ عِنْدِ زَوْجِهَا حَلَالًا طَيِّبًا، فَتَأْتِي الرَّجُلَ الْخَبِيثَ فَتَبِيتُ عِنْدَهُ حَتَّى تُصْبِحَ" یہ آپ کی امت کے وہ (بدنصیب) لوگ ہیں جن میں مَرد اپنی حلال بیوی کے پاس سے اُٹھ کر گندی (زانیہ) عورت کے پاس جا کر پوری رات گزارتا تھا، اور عورت اپنے پاکیزہ اور حلال شوہر کے پاس سے اُٹھ کر گندے (زانی) مَرد کے پاس جا کر پوری رات گزارتی تھی۔ (مجمع الزوائد:235) (مسند البزار:9518)

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے عورت کی بدبختی بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:"وَمِنَ الشَّقَاوَةِ: الْمَرْأَةُ تَرَاهَا فَتَسُوءُكَ، وَتَحْمِلُ لِسَانَهَا عَلَيْكَ، وَإِنْ غِبْتَ عَنْهَا لَمْ تَأْمَنْهَا عَلَى نَفْسِهَا، وَمَالِكَ"اور بدبختی میں سے (ایک چیز) عورت ہے جس کو تم دیکھو تو تمہیں بُرا لگے اور وہ تم پر اپنی زبان دراز کرے، اور اگر تم موجود نہ ہو تو تمہیں اُس پر اُس کی ذات اور اپنے مال میں امن و اعتماد نہ ہو (یعنی وہ اپنی عزّت و آبرو اور تمہارے مال میں خیانت کی مرتکب ہوتی ہو)۔(مستدرکِ حاکم:2684)

حضرت فَضالہ بن عُبید نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں:"ثَلَاثَةٌ لَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ: رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَعَصَى إِمَامَهُ، وَمَاتَ عَاصِيًا، وَأَمَةٌ أَوْ عَبْدٌ أَبَقَ فَمَاتَ، وَامْرَأَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا، قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهُ، فَلَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ "تین افراد ایسے ہیں جن کے بارے میں مت پوچھو (کہ اُن کے ساتھ کیا کچھ ہوگا) ایک تو وہ شخص جو (مسلمانوں کی) جماعت کو ترک کردے، اپنے حاکم کی نافرمانی کرے اور اِسی نافرمانی میں مَرجائے، دوسرا وہ غلام یا باندی جو بھاگ کھڑے ہوں اور اسی حالت میں مَرجائیں، تیسری وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو، اور وہ (شوہر) بیوی کے سارے خرچے (اور ضروریات) کیلئے کافی ہو (لیکن پھر بھی) وہ عورت شوہر کے (جانے کے) بعد (دوسروں کیلئے) زینت کو ظاہر کرے۔پس ایسے

تینوں افراد کے بارے میں مت پوچھو۔ (مسند احمد:23943)

راز کی بات کو لوگوں کے سامنے ذکر کرنا

عورتوں کی ایک بڑی خامی یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہونے والے مخصوص معاملات کا اور شرم کی باتوں کا دوسری عورتوں کے سامنے تذکرہ کرتی ہیں ،حدیث میں اس کی سختی کے ساتھ مُمانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے،آپ کے پاس ایک عورت بھی بیٹھی تھی ،آپ ﷺ نے اُس عورت سے دریافت کیا:"إِنِّي لَأَحسِبُكُنَّ تُخبِرنَ بِمَا يَفعَلُ بِكُنَّ أَزوَاجُكُن "تم عورتوں کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ تم اُن کاموں کو دوسروں کے سامنے ذکر کردیتی ہو جو تمہارے شوہر تمہارے ساتھ کرتے ہیں؟ اُس عورت نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ، جی ہاں ! یارسول اللہ! اللہ کی قسم ہم ایسا ہی کرتے ہیں ،اور ہم تو اس کو فخر کے طور پر ذکر کرتے ہیں،آپ ﷺ نے سختی سے منع کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:"فَلَا تَفعَلنَ، فَإِنَّ اللهَ يَمقُتُ مَن يَفعَلُ ذَلِكَ"ایسا ہرگز مت کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ (طبرانی کبیر:7844)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم مرد و عورت سب نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے،آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:"عَسَى رَجُلٌ يُحَدِّثُ بِمَا يَكُونُ بَينَهُ وَبَينَ أَهلِهِ، أَو عَسَى

امْرَأَةٌ تُحَدِّثُ بِمَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا" شاید کہ کوئی مرد اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ہونے والی باتوں کو لوگوں کے سامنے ذکر کر دیتا ہے اور کوئی عورت اپنے اور اپنے شوہر کے درمیان ہونے والی باتوں کو لوگوں کے سامنے ذکر کر دیتی ہے؟ لوگ یہ سن کر خاموش رہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: "إِي وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُمْ لَيَفْعَلُونَ وَإِنَّهُنَّ لَيَفْعَلْنَ" جی ہاں، یارسول اللہ! اللہ کی قسم مرد بھی یہ کام کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: "فَلَا تَفْعَلُوا فَإِنَّ مِثْلَ ذَلِكَ مِثْلَ شَيْطَانٍ لَقِيَ شَيْطَانَةً فِي ظَهْرِ الطَّرِيقِ فَغَشِيَهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ" ایسا نہ کیا کرو، اِس لئے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شیطان کسی شیطانہ سے بیچ سڑک پر ملے اور (سرِ عام) اُس سے جماع کرنے لگے جبکہ لوگ دیکھ رہے ہوں۔ (طبرانی کبیر:24/162)

میاں بیوی کے درمیان جو پردہ اور شرم کی باتیں ہوتی ہیں وہ مَرد و عورت دونوں ہی کیلئے ایک اَمانت کی حیثیت رکھتی ہیں، چنانچہ میاں یا بیوی کا اُن باتوں کو باہر دوسروں کے سامنے بیان کرنا اگرچہ وہ کتنے قریبی دوست یا راز دار ہی کیوں نہ ہوں یہ ایک کھلی بے حیائی اور اَمانت میں خیانت ہے۔ حدیث میں اس کو نہ صرف خیانت بلکہ ایک بہت بڑی خیانت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: "إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ أَيْ مِنْ أَعظَمِ خِيَانَةِ الْأَمَانَةِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،

الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا" سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آئے اور بیوی اُس کے پاس آئے اور پھر اُس کے راز کو باہر پھیلاتا پھرے۔(مسلم:1437)

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں :"الشِّيَاعُ حَرَامٌ " جماع کرنے پر(لوگوں کے سامنے)فخر کرنا حرام ہے۔(السنن الکبریٰ بیہقی:14099)

میت کی برائی کرنے سے پرہیز کریں

کسی مسلمان کی غیبت اور اس کا شکوہ شکایت اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس سے بے خبر ہوگا؛مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس ممنوع وحرام کام میں اشتغال کو ایک محبوب مشغلہ کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور جن لوگوں کو اس کی عادت پڑ جاتی ہے وہ زندوں سے لے کر مُردوں تک سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں،حالاں کہ اسلام نے اس کی تاکید کی ہے کہ مُردوں کی خوبیاں تو بیان کرو؛مگران کی برائی نہ کرو۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الى ما قدموا (بخاری:۱۳۰۶،نسائی:۱۹۱۰،احمد: ۲۴۲۹۶،دارمی:۲۳۹۹)

(مردوں کو گالی مت دو ،کیوں کہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جس کے لیے انہوں نے (اچھا یا برا عمل) بھیجا تھا)

اور ایک دوسری حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے اس میں آیا

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم ۔(ابوداؤد: ۴۲۵۴، ترمذی: ۹۴۰ مستدرک حاکم ۱/ ۳۸۵)

(اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے (اپنی زبانوں کو) روکے رکھو۔)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کو نہ گالی دینا جائز ہے اور نہ ان کی غیبت و برائی کرنا جائز ہے؛ بلکہ ان کی تعریف وخوبی بیان کرنا چاہئے، ہاں اس میں مبالغہ سے کام نہ لے کہ یہ بھی بُری بات ہے اور اسلام میں ناپسندیدہ فعل ہے۔

ایصال ثواب کے لئے تلاوت قرآن پر اجرت لینا دینا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے

تلاوتِ قرآن کے لیے دعوت کا انتظام کرنا صلحاء اور قاریوں کو ختمِ قرآن یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھنے کے لیے جمع کرنا مکروہ ہے۔ پھر ''معراج'' کے حوالہ سے لکھا کہ یہ تمام کام شہرت وریاکاری کے لیے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔ (شامی: ۲/ ۲۴۰ تا ۲/ ۲۴۱)

معلوم ہوا کہ یہ قرآن خوانی اور آیتِ کریمہ پڑھنے کے لیے جو دعوت دی جاتی ہے یہ ناجائز و مکروہ ہے، پھر بعض جگہ حفاظ وطلبہ کو اُجرت پر تلاوت کے لیے بلایا جاتا ہے؛ حالاں کہ اُجرت پر تلاوت کرنیوالے ہی کو ثواب نہیں ملتا، پھر وہ میت کو ثواب کیسے بخشے گا؟ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالہ میں اس مسئلہ پر سیر

حاصل بحث کی ہے اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے تلاوت قرآن پر اُجرت لینا، دینا تمام علما کے نزدیک ناجائز ہے اور اُجرت پر پڑھنے والوں کو کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا ثواب تو وہی مال ہے، جو بہ طورِ اُجرت ان کو مل رہا ہے ،علامہ شامی کا یہ رسالہ ان کے رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے۔ (دیکھو رسائل ابن عابدین الشامی: ۱/ ۱۵۲تا۱۹۸)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآنِ مجید پڑھنے اور اس کا ثواب ھدیہ کرنے کے لیے اُجرت پر کسی کو لینا بالاتفاق صحیح نہیں ہے اور جو علماء نے اختلاف کیا ہے، وہ تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینے کے بارے میں نہیں؛ بل کہ تعلیمِ قرآن، اذان، امامت اور غیر کی طرف سے حج کے بارے میں ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (آگے چل کر فرماتے ہیں) امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک قول یہ ہے کہ فقیر کے لیے تلاوت پر اُجرت لینا جائز ہے؛ لیکن وہ اللہ کے لیے پڑھے اور ضرورت کے لیے اُجرت لے اور اگر وہ اُجرت کے بغیر پڑھتا ہی نہ ہو، تو اس کو اس تلاوت پر ثواب نہیں ملے گا اور جب خود اس کو ثواب نہیں ملا، تو میت کو بھی کچھ نہ پہنچے گا۔ (فتاوٰی شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۲۴/ ۳۱۵تا۳۱۶)

غرض یہ کہ اُجرت پر قرآن پڑھا جائے یا ذکر وغیرہ کیا جائے، اس سے ثواب نہیں ملتا، اس لیے یہ قرآن خوانی کی رسم جس سے حفاظ وقرا کو اُجرت دے کر بلایا جاتا ہے، حرام ہے۔ اور بلا اُجرت جو یہ رسم ہوتی ہے یہ بھی بدعت ہے، لہذا بلا رسم کی پابندی کے ، جو افراد گھر کے یا قرب وجوار کے بلا تکلف جمع ہو جائیں وہ سب مل کر قرآن پڑھ کر، یا

ذکر کر کے ثواب میت کو پہنچادیں، جیسا کہ اوپر تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔

کسی صحابی کی طرف عیب یا برائی منسوب کرنا جائز نہیں

حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں رقمطراز ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ گناہوں سے معصوم نہیں، ان سے بڑے گناہ بھی ہوسکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں لیکن اس کے باوجود امت کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کرے۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی بڑی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مقام عطا فرمایا تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔

صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات ونزاع کی وجہ سے کسی صحابی پر الزام واعتراض اور طعن وتشنیع کرنا جائز نہیں

حافظ ابن تیمیہؒ نے عقیدۂ واسطیہ میں فرمایا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف اور قتل وقتال ہوئے ہیں ان میں سے کسی پر الزام واعتراض کرنے سے باز رہیں، وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں جو روایات ان کے متعلق آئی ہیں ان میں بکثرت تو جھوٹی ہیں، اور غلط ہیں، جو دشمنوں نے اڑائی ہیں، اور بعض وہ ہیں جن میں کمی بیشی کر کے اپنی اصلیت کے خلاف کردی گئی ہیں

اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرام اس میں اجتہادی رائے کی بنا پر معذور ہیں، اور بالفرض جہاں وہ معذور بھی نہ ہوں تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَات"، یعنی اعمال صالحہ سے برے اعمال کا کفارہ ہوجاتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام کے اعمال صالحہ کے برابر کسی دوسرے کے اعمال نہیں ہوسکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم کے جتنے وہ مستحق ہیں، کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، اس لیے کسی کو یہ حق نہیں کہ ان کے اعمال پر مؤاخذہ کرے، اور ان میں سے کسی پر طعن واعتراض کی زبان کھولے۔ (عقیدہ واسطیہ ملخصاً)۔

ابن تیمیہؒ نے شرح عقیدۂ واسطیہ میں تمام امت محمدیہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے مشاجرات صحابہ کے متعلق لکھا ہے۔

ویمسکون عما شجر بین الصحابة (اہل سنت والجماعت سکوت اختیار کرتے ہیں ان اختلافی معاملات سے جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آئے)

صحابہ کرام کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا تدارک

ان میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش اور غلطی بھی ہوتی ہے تو اکثر وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے، جس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ حسب تصریح احادیث صحیحہ ایک اجر ہی ملتا ہے اور اگر فی الواقع کوئی گناہ ہوگیا تو اول تو وہ ان کے عمر بھر کے اعمال حسنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نصرت وخدمت کے مقابلہ میں صفر کی حیثیت رکھتا ہے، اور پھر ان میں خشیت اور خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے گناہ سے بھی لرز جاتے اور فوراً

توبہ کرتے اور اپنے نفس پر اس کی سزا جاری کرنے کے لیے کوشش کرتے تھے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا اور جب تک توبہ قبول ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے بندھا کھڑا رہتا تھا، اور پھر ان میں سے ہر ایک کی حسنات اتنی ہیں کہ خود گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں، ان سب پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں کی مغفرت کا عام اعلان فرما دیا اور صرف مغفرت ہی نہیں بلکہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ فرما کر اپنی رضا کی بھی سند دے دی۔

مشاجرات صحابہ کی وجہ سے کسی صحابی کو مطعون کرنا جائز نہیں

اس لیے ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کی وجہ سے ان میں سے کسی کو برا نہ کہنا اس پر طعن وتشنیع کرنا قطعاً حرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موجب لعنت اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

صحابۂ کرام کی کوتاہیوں میں بلاضرورت غور وخوض، بحث و تمحیص کرنا بدبختی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا یہ اعلان فرما دیا ہے اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان کر رہی ہے، پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور فکر اور بحث ومباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکر وعمر اور دوسرے صحابہ پر کفر ونفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

صحابہ کو برا بھلا کہنا جائز نہیں

(۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار اور دعا کرنے کا حکم دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگ وجدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے (اس لیے کسی مسلمان کو مشاجرات صحابہ کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں)۔

(۱۰) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وملامت نہ کریں گے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ جب کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو برا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں زیادہ برا ہے اس پر اللہ کی لعنت، یہ ظاہر ہے کہ زیادہ برے صحابہ تو ہو نہیں سکتے، یہی ہوگا جو ان کی برائی کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی کو برا کہنا سبب لعنت ہے۔ (معارف القرآن ۸/۳۸۱)

صحابۂ کرام کے متعلق ایک ضروری ہدایت

(۱۲) عوام بن حوشبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس امت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے فضائل اور محاسن بیان کیا کرو، تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو، اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کرو۔ جس سے ان کی جرأت بڑھے۔ (اور وہ بے ادب ہو جائیں)۔ (معارف القرآن ۸/ ۳۸۲)

جنگ جمل کا مختصر واقعہ حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہؓ کا سفر بصرہ اور جنگ جمل کے واقعہ پر روافض کے ہفوات

اوپر یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ آیت مذکورہ میں ''وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ'' کا مفہوم خود قرآنی اشارات بلکہ تصریحات سے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور آپ کے بعد صحابہ کرام کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں، جن میں حج وعمرہ وغیرہ دینی ضروریات شامل ہیں، صدیقہ عائشہؓ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما یہ سب حج کے لیے تشریف لے گئیں تھیں، وہاں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظام مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظّمہ پہنچے کیونکہ قاتلان عثمانؓ ان کے بھی قتل کے درپے تھے، یہ حضرات

اہل بغاوت کے ساتھ شریک نہیں تھے، بلکہ ان کو ایسے فعل سے روکتے تھے، حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کے بعد وہ ان کے بھی درپے تھے، اس لیے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظّمہ پہنچ گئے اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ طلب کیا حضرت صدیقہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مامون سمجھیں، جب تک کہ امیر المؤمنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المؤمنین کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المؤمنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو ام المؤمنینؓ سے بھی درخواست کی کہ انتظام حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلانِ عثمان اور مفسدین کی قوت وشوکت اور حضرت علیؓ کا ان پر حد شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب ورفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں

جنہوں نے عثمان غنیؓ پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو مگر یہ کام کیسے ہو جب کہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں، اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کردوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت صدیقہؓ کو ایک طرف حضرت علی کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المومنین علیؓ کی طرف سے مجبوری دیکھی جارہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلان عثمانؓ امیر المؤمنین کی مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے، جو لوگ حضرت امیر المؤمنین کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہورہی تھی ممکن تھا کہ یہ شکوہ وشکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے، اس لیے لوگوں کو فہمائش کرکے صبر کرنے اور امیر المؤمنین نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المؤمنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے، اس کے لیے اگر ام المؤمنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرمالیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المؤمنینؓ نے

احکامِ قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کردی اس کا خیال کبھی صدیقہؓ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی تفسیر کے لیے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جنگ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لیے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت وتجربہ غافل نہیں ہوسکتا یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابۂ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہ کے سفر بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لیے بصرہ جارہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں، حضرت حسن وحسین وعبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکرکشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہوجائے، مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہوکر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ وبغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے۔

جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاع کو ام المومنین کے پاس

دریافت حال کے لیے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا، تو صدیقہؓ نے فرمایا ''ای بنی الاصلاح بین الناس،'' یعنی میرے پیارے بیٹے! میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں۔ پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاع کی مجلس میں بلا لیا، قعقاع نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ قاتلان عثمان پر حد شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت قعقاع نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہوجائے، اس لیے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کرلیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاع نے جا کر امیر المؤمنین کو اس کی اطلاع دے دی، وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہوگئے، اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کرلیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہوجائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المؤمنین کی ملاقات حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلان عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گذری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل وغارت گری شروع کردو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی،

اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المؤمنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل وقتال کا پیش آنا تھا آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (روح المعانی)

غرض مفسدین ومجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا، اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے حضرت عائشہؓ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا۔ فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے، تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیاً ہو گیا ہوتا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' تو رونے لگتیں یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (رواہ عبد اللہ بن احمد فی زوائد وابن المنذر وابن شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لیے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آ گیا اس پر طبعی رنج وغم اس کا سبب تھا، (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے)۔

اگر کسی کو بُرا کہہ دیا تو اس کی معافی کا طریقہ یہ ہے

"اللّٰھُمَّ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (بخاری رقم الحدیث ٦٣٦١)

اے اللہ جس کسی کو میں نے برا بھلا کہا ہو تو اسے قیامت کے دن اس شخص کے لیے اپنی قربت کا ذریعہ بنا۔

اہل مدینہ کے ساتھ سازش کرنے والے کا انجام بد

عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: لا یکید أهل المدینة أحد إلا انماع کما ینماع الملح فی الماء (رواہ البخاری: کتاب الحج باب فضائل المدینة (رقم ۱۸۸۷)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی بھی مدینہ والوں کے ساتھ مکر کرے گا وہ ایسا گھل جائے گا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔وفی لفظ عندہ: ولا یرید أحد أهل المدینة بسوء إلا أذابه الله فی النار ذوب الرصاص أو ذوب الملح فی الماء

اور بخاری کی دوسری روایت میں یوں بھی ہے کہ جو کوئی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کرے گا اللہ تعالی اس کو آگ میں ایسا پگھلا دے گا جیسا سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے یا نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔وفی روایة مسلم : من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء (صحیح مسلم: کتاب الحج باب من آراد باھل المدینۃ بسوء اذابہ اللہ (رقم ۱۴۸۷)

جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا گویا اس نے نبی کریم ﷺ کے دل کو ڈرایا

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنه : قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : (من أخاف أهل المدينة فقد أخاف ما بين جنبي (رواہ الامام أحمد بإسناد صحیح (مسند أحمد/ مسند جابر بن عبداللہ رقم ۱۴۸۶۰، مصنف ابن أبي شيبة رقم / ۳۲۴۲۷)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا تو اس نے اس کو ڈرایا جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے، (یعنی میرے دل کو ڈرایا)۔

بُرائی کرنے والے کے کلمۂ شہادت کا اعتبار نہیں

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی برائی بیان کی۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: یہاں سے اُٹھ جا، تیرے کلمۂ شہادت کا اعتبار نہیں۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں آیندہ ایسے نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم قرآن کا مذاق اُڑا رہے ہو، جو قرآن کے حرام کردہ کام کو حلال سمجھے وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا (قرآن میں مسلمان کی غیبت کو حرام

قرار دیا گیا ہے اور تم غیبت کر رہے ہو)۔

حضرت طارق بن شہابؓ کہتے ہیں کہ حضرت خالد اور سعدؓ کے درمیان کچھ تیز بات ہوگئی۔ حضرت سعد کے پاس بیٹھ کر ایک آدمی حضرت خالد کی برائیاں بیان کرنے لگا۔ حضرت سعد نے کہا: چپ رہو، ہمارے درمیان جو بات ہوئی تھی وہ (وہیں ختم ہوگئی تھی، وہ آگے بڑھ کر) ہمارے دین تک نہیں پہنچ سکتی (کہ اس جھگڑے کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کی برائیاں بیان کر کے دین کا نقصان کر لیں)۔ (از: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحب)

تنقید کا ایک سبب غصہ ہے لہٰذا اس کا بھی علاج ہونا چاہئے

غصے میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی، اور انجام سوچنے کا ہوش نہیں رہتا، اس لیے زبان سے بھی جا بے جا نکل جاتا ہے، اور ہاتھ سے بھی زیادتی ہو جاتی ہے، اس لئے اس کو بہت روکنا چاہیے۔

اور اس کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ: سب سے پہلے یہ کرے کہ جس پر غصہ آیا ہے، اس کو اپنے رُوبرو سے فوراً ہٹا دے۔ اگر وہ نہ ہٹے تو خود اس جگہ سے ٹل جائے، پھر سوچے کہ: جس قدر یہ شخص میرا قصوروار ہے، اس سے زیادہ میں خدائے تعالیٰ کی قصوروار ہوں، اور جیسا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری خطا معاف کر دیں، ایسے ہی مجھ کو بھی چاہیے کہ میں اس کا قصور معاف کر دوں۔ اور زبان سے: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کئی بار پڑھے، اور پانی پی

لے یا وضو کر لے۔اس سے غصہ جاتا رہے گا۔

پھر جب عقل ٹھکانے ہو جائے، اس وقت بھی اگر اس قصور پر سزا دینی مناسب معلوم ہو، مثلاً سزا دینے میں اسی قصور وار کی بھلائی ہے، جیسے اپنی اولاد ہے کہ اُس کو سدھارنا ضروری ہے،اور یا سزا دینے میں اسی قصور وار کی ضرورت ہے، جیسے اس شخص نے کسی پر ظلم کیا تھا۔اب مظلوم کی مدد کرنا اور اس کے واسطے بدلہ لینا ضروری ہے،اس لئے سزا کی ضرورت ہے۔تو اوّل خوب سمجھ لے کہ اتنی خطا کی کتنی سزا ہونی چاہیے۔ جب اچھی طرح شرع کے موافق اس بات میں تسلّی ہو جاوے،تو اسی قدر سزا دے دے۔ چند روز اس طرح غصّہ روکنے سے پھر خود بخود قابو میں آ جاوے گا، تیزی نہ رہے گی، اور کینہ بھی اسی غصّے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ جب غصّہ کی اِصلاح ہو جائے گی، کینہ بھی دل سے نکل جائے گا۔(از: مولانا جمشیدؒ)

غصے کی برائی اور اس کے علاج کے بارے میں تو اتنی ہی تحریر لکھی ہے، لیکن اس سے کچھ ہی بعد، چند قیمتی نصائح بھی مذکور ہیں، جن کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے فائدہ تام ہوتا ہے۔ وہ نصائح درج ذیل ہیں: (مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ)

اہل اللہ کی شان میں بدگوئی سے احتراز برتی جائے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

متہم کم کن بدزدی شاہ را
عیب کم گو بندۂ اللہ را

اللہ والوں پر عیب نہ لگاؤ۔ یہاں کم معنیٰ میں اُردو والے کم کے نہیں ہیں بلکہ نفی مطلق مراد ہے، ایسا نہ ہو کہ اُردو والا کم سمجھو کہ اللہ والوں پر کچھ کچھ عیب لگا سکتے ہیں، یہاں کم سے مطلق نفی مراد ہے یعنی اس کام سے بالکل احتیاط برتو۔ اہل اللہ کی شان میں بدگوئی کرنے سے لوگوں کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ میرے مرشدِ اوّل حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک نصیحت فرمائی تھی، ایک مرتبہ میں نے حضرت کے ایک مُجازِ بیعت کے بارے میں کچھ کہہ دیا کہ حضرت ان کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، میں نے حضرت سے اس لیے عرض کردیا تاکہ حضرت اصلاح فرمادیں۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کسی صاحبِ نسبت کے بارے میں زبان مت کھولو، اس سے تمہارے باطن کو نقصان پہنچے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ نسبت بندے کی خود حفاظت فرماتے ہیں یعنی اسے ضلالت وگمراہی پر قائم نہیں رہنے دیتے، توفیق توبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ (مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ)

غیبت اور تنقید اور عیب جوئی کی بُرائی کا بیان

ہر کہ او غیبت شعاری می کند

خویش را از نورِ ناری می کند (مولانا رومیؒ)

جو شخص دوسرے بھائیوں کی برائی کرتا ہے وہ نور سے دور ہو کر دوزخ کی آگ کی طرف جا رہا ہے۔

مصطفٰی گفت از زنا غیبت اشد

پس بداں غیبت چہ باشد خُلقِ بد

مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ بھاری

گناہ ہے پس اندازہ کرلو کہ یہ عادت کس قدر بری عادت ہے۔

فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ سچ بات کہنے میں کیا ڈر یہ برائی تو میں اس کے منہ پر بھی کہہ دوں تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہی تو غیبت ہے یعنی اپنے بھائی کے اس عیب اور برائی کو مجلس میں ذکر کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اس کو برا اور ناگوار معلوم ہو اسی کا نام غیبت ہے جو حرام ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تب تو اس کا نام بہتان ہے۔

غیبت متکبر کرتا ہے

علتِ غیبت بود کبرِ خفی

برزباں غیبت تکبر مختفی

غیبت وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے زبان سے غیبت نکلتی ہے اور دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے۔

غیبت وتنقید کرنے والا قرب خداوندی سے محروم ہے

ہر کہ غیبت می کند محروم شد

از زبانش خلقہا مظلوم شد

جو غیبت کرتا ہے وہ محروم ہوتا ہے، اس کی زبان سے مخلوقِ خدا کی عزت مظلوم ہوتی ہے۔

پس چرا یابد ز خلاقِ جہاں

لطف واکرامش میانِ دو جہاں

پس ایسا ظالم شخص خالقِ کائنات سے کب عزت اور انعامات پا سکتا ہے دونوں جہان میں۔

عیب جوئی تبصرہ تنقیدِ خلق
ہست شیوہ جملہ محروماں زحق

جو شخص دوسروں کی برائی بیان کرتا ہو اور دوسروں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کا عادی ہو تو سمجھ لو کہ یہ عادت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو خداوند تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوتے ہیں۔

دوست را کے فرصتے از یادِ دوست
خلق را ہم دوست دارد بہرِ دوست

ورنہ دوست کو کب فرصت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست (محبوبِ حقیقی) کی یاد سے فرصت پا کر ان گندی باتوں میں وقت ضایع کریں، اللہ تعالیٰ کے اولیاء تو مخلوقِ خدا سے بھی دوستی اور محبت رکھتے ہیں اپنے رب کی طرف خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ (معارف مثنوی از: حکیم اختر)

گناہ چھوڑنے کے لئے نفس کو داغنا ضروری ہے

اب رہا یہ سوال کہ گناہ کو کس طرح چھوڑیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے انسان کو عزم و ہمت کرنا چاہیے۔ اس بیماری کا علاج یہی ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

امام سہل بن عبد اللہ تستری کہتے ہیں: ” هَوَاكَ دَاءُكَ، فَإِنْ خَالَفْتَهُ فَدَوَاءُكَ “ (گناہ ہی تیری بیماری ہے، اگر تو اس کی مخالفت کرے، تو وہی تیری

دوا ہے)

ایک واقعے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ کہ مشہور صوفی و بزرگ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایک راہب کے پاس سے گزرا، تو میں نے دیکھا کہ وہ نہایت نحیف و کمزور ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تم اس قدر نحیف کیوں ہو گئے ہو؟ اس نے کہا کہ جب سے میں نے اپنے نفس کو جان لیا ہے یعنی اس کی شرارتوں و خباثتوں کو جان لیا ہے، تو میں اس کی فکر میں نحیف و کمزور ہو گیا ہوں۔ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ پھر تم اس کی دوا و علاج کرو۔ اس نے کہا کہ میں اس کی دوا سے عاجز آ گیا ہوں۔ اور اب میں نے عزم کر لیا ہے کہ اس کو داغ دوں گا۔ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ داغ کیا ہے؟ تو کہا کہ خواہشات کی مخالفت۔ واقعی یہ خواہشات کی مخالفت اور نفس کو اس کے مطالبات سے دور رکھنا ہی اس کا علاج ہے۔ (از: مفتی محمد شعیب اللہ خان)

لوگوں کی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کیجئے

حضرت کے متعلقین میں سے ایک صاحب اپنے علاقہ میں دین کا کام کر رہے تھے لیکن لوگ ان کی بڑی مخالفت پر تلے ہوئے تھے، بلا وجہ کے طرح طرح کے الزامات بھی ان پر لگائے جا رہے تھے، ان صاحب نے بد دل اور کبیدہ خاطر ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں تفصیلی حالات تحریر کئے اور مایوسی ظاہر کی، حضرات نے جواب تحریر فرمایا۔

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

آپ کام کرتے رہیے ۔ ،لوگوں کے کہنے کا اثر نہ لیجئے ، دنیا میں ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں ،کوئی ایسا نہیں جو دین کا کام کرے اور اس کو اس قسم کی باتیں نہ سننا پڑیں ۔(صدیق احمد باندویؒ)

اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہئے کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا

ایک صاحب نے اپنے مدرسہ کے حالات لکھے اور خیر و برکت اور حفاظت کی دعاء کی درخواست کی اور لکھا کہ اس سال ایک بڑے عالم نے مدرسہ سے صرف ۱۰۰ فٹ کی دوری پر ایک مدرسہ قائم کر دیا ہے ان کے وسائل ہندو بیرون ہند زیادہ ہیں ۔ پہلے سے ان کے پاس بہت کافی رقم ہے ،حضرت میں تو بس آپ سے دعاء کی درخواست کرتا ہوں ،حضرت نے جواب تحریر فرمایا۔

مکرمی زید السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دعاء کر رہا ہوں اللہ پاک مدرسہ کو ہر قسم کے شرور سے محفوظ رکھے ، آپ اخلاص سے کام کرتے رہیں انشاء اللہ کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔(صدیق احمد باندویؒ)

مخالف پارٹی کے شر سے حفاظت کے لئے

ایک صاحب نے لکھا کہ مخالف پارٹی ہمارے یہاں الیکشن میں جیت گئی ہے ،اب ان کا ارادہ مدرسہ کو نقصان پہنچانے کا ہے، سخت خطرہ اور بڑی تشویش ہے دعاء فرمائیں۔حضرت نے جواب تحریر فرمایا۔

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دعاء کر رہا ہوں اللہ پاک آپ حضرات کو اور مدرسہ کو ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔سورہ یٰسٓ شریف روزانہ پڑھ کر دعاء کرایا کریں۔کبھی کبھی ’’یا

سلام‘‘ کا وظیفہ پڑھوا کر دعاء کرائیں۔ (صدیق احمد)

اپنے کام میں لگے رہیئے کسی کے کہنے کی پرواہ نہ کیجئے

ایک صاحب کو تحریر فرمایا۔

مکرمی زید کرمکم السلام علیکم

دعاء کر رہا ہوں اللہ پاک فضل فرمائے، اور آپ کی نصرت فرمائے، آپ اپنا کام کرتے رہیں لوگ کیا کہتے ہیں اس کی طرف توجہ نہ کیجئے۔ (صدیق احمد)

مخالفین کے ساتھ بھی خوش اخلاقی ونرمی کا برتاؤ کرتے رہنا چاہیے

ایک صاحب نے لکھا کہ ہمارے علاقہ میں اہل بدعت اور مخالفین کا بہت زور ہے ،مسجد میں نماز تک پڑھنا منع کر دیا گیا ہے۔ بڑی پریشانی میں ہوں، گذارش ہے کہ احقر کی رہنمائی فرمائیں۔ حضرت دامت برکاتہم نے جواب تحریر فرمایا۔

مکرمی السلام علیکم

آپ حکمت عملی اور نرمی وخوش اخلاقی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہئے، اللہ پاک کی نصرت ہوگی۔ (صدیق احمد)

ایک صاحب کسی علاقہ میں کام کر رہے تھے، لیکن مخالفین ان کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور ان کے کام میں بڑی رکاوٹیں پیش آرہی تھیں، ان صاحب نے پریشان اور عاجز ہو کر حضرت کی خدمت میں حالات تحریر فرمائے۔ حضرت نے بطور تسلی کے جواب تحریر فرمایا۔

مکرمی زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حالات کا علم ہوا۔ دعاء کرر ہا ہوں۔ صبر وتحمل سے کام کریں، رفتہ رفتہ حالات ٹھیک ہو جائیں گے، دعاء کرر ہا ہوں۔ اللہ پاک تمام مقاصد میں کامیابی نصیب فرمائے۔ (صدیق احمد)

اگر مخالفت یا مقابلہ میں کوئی مدرسہ کھولے تو کیا کرنا چاہئے

حضرت سے تعلق رکھنے والے ایک عالم صاحب نے ایک مدرسہ عرصہ سے قائم کرر کھا تھا علاقہ کے لوگ ان عالم صاحب کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے ہوئے تھے، طرح طرح سے ان کی مخالفت کرتے تھے، کچھ دنوں بعد ان کے مدرسہ کے مقابلہ میں ایک مدرسہ بھی کھول دیا گیا، حضرت کو اس کا علم ہوا، افسوس ہوا حضرت نے عالم صاحب کے نام مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا۔

مکرمی زید کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے خیریت ہو مجھے پانچ چھ یوم قبل اس کا علم ہوا تھا کہ آپ کے مدرسہ کے مقابلہ میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے اس دن سے رنج تو بہت ہے اللہ پاک ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائے، وہ لوگ مجھے نہ بلائیں گے کوئی وجہ بھی نہیں سمجھ میں آتی، ان سے کوئی ربط بھی نہیں۔

مدرسہ میں سورہ یسین کا ختم روزانہ کیا جائے، آپ ان لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں، اور نہ ہی اس کا تذکرہ ہو، صبر وتحمل سے کام لیں اللہ پاک ہر طرح نصرت فرمائے۔ (صدیق احمد)

مخالفت نہ ہونا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

اس علاقہ میں تو پھر بھی غنیمت ہے کہ یہاں شادی وغیرہ کے موقع پر کبھی کسی نہ کسی بہانہ سے پوچھ لیتے ہیں، بعض علاقوں میں تو یہ بھی نہیں، ایک جگہ کئی سال رہنا ہوا، تین چار مدرسین تھے، لیکن تین چار سال کے عرصہ میں کبھی ایک مرتبہ بھی کسی مدرّس کی دعوت نہیں ہوئی، حالانکہ بالکل سامنے رہتے تھے، اور شادیاں ہوا کرتی تھیں، ہم ان کی دعوت کے کوئی بھوکے نہیں لیکن اس سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، خیر یہی کیا کم ہے کہ مخالفت نہیں کی ورنہ بعض جگہ تو لوگ مخالفت کرتے ہیں اور ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا ہے، مخالفت نہ ہونا بھی بڑی بات ہے کہ سکون سے کام تو کرتے رہیں۔ (مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

اہل حق کی مخالفت کرنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا

اور وہ مخالفت اس طرح ہوتی ہے کہ کسی بھی طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ تو ایسے ویسے ہیں، جب ایسے ویسے ہیں تو ان کی بات کا کیا اعتبار، یہ سب اسی واسطے کیا جاتا ہے تاکہ لوگ ان سے بدگمان ہوجائیں لوگوں کا اعتقاد ان سے ہٹ جائے، اس وقت ان کی بات کا اثر بھی نہ ہوگا، اور کوئی ان کی طرف متوجہ بھی نہ ہوگا، لوگ ان سے نفرت کریں گے دور بھاگیں گے، جھوٹ بات کو بھی اگر بار بار کہا جائے تو کچھ نہ کچھ تو اسکا اثر ہوتا ہی ہے، غلط بات کی جب تشہیر کی جائے گی تو کچھ نہ کچھ تو خیال اکثر لوگوں کے دل میں پیدا ہی ہونے لگتا ہے لیکن اس طرح کی سازش کرنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ (صدیق)

شیطان اللہ والے کی مخالفت بدنامی کے راستہ سے سکھاتا ہے جس کا

انجام مخالف کی رسوائی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے

بخارا کے حاکم نے امام بخاریؒ کے خلاف سازش کی اور اسکی وجہ صرف یہ ہوئی تھی کہ حاکم نے درخواست کی تھی میرے گھر پر آ کر حدیث پڑھا دیا کریں، امام بخاریؒ اس پر تیار نہیں ہوئے بس اسی پر اس نے مخالفت شروع کر دی، اور امام بخاریؒ کو ہر طرح سے بدنام کرنے کی کوشش کی، غلط قسم کے عقائد ان کی طرف منسوب کیے اور ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ جس کی مخالفت کرنا ہو شیطان ان کو یہی سمجھاتا ہے کہ ان کو بدنام کر دو، چنانچہ امام بخاریؒ کو بدنام کیا گیا بالآخر امام بخاریؒ تنگ آ گئے اور بخارا کو چھوڑ دیا، ہجرت فرما گئے اور یہ بدوعاء دے کر گئے کہ یا اللہ ان لوگوں نے میرے ساتھ جو کرنے کا ارادہ کیا (یعنی ذلت ورسوائی کا) وہ انہیں پر نازل فرما، امام بخاریؒ تو نکل کر چلے گئے لیکن اس حاکم کا انجام یہ ہوا کہ جلد ہی کسی معاملہ کی وجہ سے اس کو ذلیل ورسوا کیا گیا، وہ معزول بھی کیا گیا اور منہ کالا کر کے اسکوسڑکوں میں گھمایا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۶۴-۱۲)

یہ انجام ہوتا ہے اللہ والوں کو ستانے اور پریشان کرنے کا۔

جھوٹا الزام لگانے اور غلط دعویٰ کرنے والے کا بھیانک انجام

حضرت سعید رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں ایک عورت نے ان پر غلط دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے میری زمین دبالی، میری زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا، آپ کو اس سے سخت تکلیف پہنچی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کروں گا حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو

شخص کسی کی ایک بالشت زمین دبالے قیامت کے دن ساتوں زمین کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بہت پریشان تھے، جب جھوٹ بات کا بھی پروپیگنڈہ کیا جائے گا، غلط بات کسی کی طرف منسوب کی جائے تو لوگوں پر کچھ نہ کچھ تو اثر ہوتا ہی ہے، اور طبعی طور پر خود انسان اس سے پریشان ہوتا ہے اور اس کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے حق میں بددعاء فرمائی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو اندھا کر دیا اور وہ بھیک مانگا کرتی تھی، وہ لوگوں سے کہتی تھی کہ مجھے سعید کی بددعاء لگ گئی ہے، سعیدؓ کی بددعاء نے مجھے اندھا بنا دیا۔ (مسلم شریف ص ۳۳-۲ میں تفصیلی قصہ مذکور ہے باب تحریم الظلم وغصب الارض)

ناحق کسی کو ستانے والے کا انجام

ایک بزرگ کی حکایت:

حضرت قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کبھی کسی کو ستائیے نہیں، کسی کا دل نہ دکھائیے، معلوم نہیں اس کی زبان سے کیا بددعاء نکل جائے اور کون سی مصیبت نازل ہو جائے، کیونکہ مظلوم کی بددعاء رد نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے، ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ چلے جا رہے تھے راستہ میں ایک عاشق اپنی معشوقہ کو ساتھ لیے جا رہا تھا، بارش کا موسم تھا، اتفاق سے ان بزرگ کے پیر سے تھوڑی سی کیچڑ معشوقہ کے کپڑے پر لگ گئی عاشق صاحب کو بڑا غصہ آیا اور کہا کہ دیکھ کر نہیں چلتے اور غصہ میں آکر زور سے ایک تھپڑ ان بزرگ کے رسید کیا، اور چلتا بنا، یہ بزرگ صبر کر کے رہ گئے اور یہ بھی تشریف لے گئے، بس تھوڑی ہی دیر کے بعد اس شخص کے ہاتھوں میں

سخت درد شروع ہوا، علاج کیا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر وں کو دکھلایا ان کے علاج سے بھی افاقہ نہیں ہوا، اور ہاتھ سڑنا شروع ہوگیا، بالآخر ڈاکٹروں کی یہ تجویز ہوئی کہ اتنا ہاتھ کاٹ دیا جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ پورا ہاتھ سڑ جائے، چنانچہ ہاتھ کاٹ دیا گیا لیکن اس کے بعد آگے کا حصہ سڑنا شروع ہوگیا آگے کا حصہ بھی کاٹ دیا گیا، اس طرح کرتے کرتے مونڈھے تک پورا ہاتھ کا ٹ دیا گیا اور ڈاکٹروں کے کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی ایک اللہ والے بزرگ حکیم نے پوچھا بتلاؤ یہ مرض شروع کیسے ہوا تھا تو اس نے پورا قصہ سنایا کہ میں جارہا تھا اور راستہ میں ایک بڑے میاں ملے، اور یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد درد شروع ہوگیا ان بزرگ حکیم نے کہا اس کا علاج دوا سے نہیں ہوگا اس کا علاج تو کچھ اور ہے، جا کر ان بڑے میاں سے معافی مانگو، بس یہی اسکا علاج ہے، چنانچہ بڑی تلاش کے بعد ان سے ملاقات کی اور اپنی غلطی کی معافی مانگی، ان بزرگ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے بددعا نہیں کی، تم نے اپنے دوست کی حمایت میں مجھے مارا تھا میرے دوست نے میری حمایت میں تجھے سزا دی ہے اب تو معاملہ میرے قبضہ سے باہر ہے میں کیا کرسکتا ہوں، یہ تو دوستوں کا مسئلہ ہے اگر تمہارا کوئی دوست ہے تو میرا بھی کوئی ولی اور دوست ہے، یہ حال ہوتا ہے کسی پر ظلم کرنے اور بے جا ستانے کا اس لئے کبھی بھی کسی پر ظلم نہ کرے کسی کو ستا ئے نہیں، معلوم نہیں کون اللہ کا کیسا بندہ ہو اور اسکی زبان سے کیا نکل جائے۔

جو جانور کو دھوکہ دے سکتا ہے وہ انسانوں کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے

امام بخاریؒ کی غایت احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک محدث سے حدیث سننے کے لئے

تشریف لے گئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ محدث صاحب ایک خالی برتن لئے جانور کو دور سے دکھلا کر اس کو اپنے قریب بلا رہے ہیں تا کہ جانور یہ سمجھے کہ اس برتن میں کوئی کھانے کی چیز گھاس وغیرہ ہے اور وہ آ جائے، امام بخاریؒ نے جب دیکھا کہ یہ خالی برتن لئے جانور کو دھوکہ دے کر بلا رہے ہیں، بس وہیں سے واپس آ گئے اور ان سے حدیث نہیں سنی اور فرمایا کہ جو شخص جانور کو دھوکہ دے سکتا ہو وہ انسان کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ (صدیق احمد باندویؒ)

اللہ والے کے لئے دل میں بھی تنقید نہ رکھو اللہ ان پر اس کو منکشف کر دے گا

ایک بار حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ نے دوران درس فرمایا: حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کاملپوری میرے استاد ہیں جن سے سہانپور میں میں نے ترمذی پڑھی ہے وہ بہت تحقیق سے پڑھایا کرتے تھے، بہت عبادت گذار، متقی پرہیز گار تھے۔ حافظ ابن حجرؒ کا بہت رد کرتے تھے، لیکن بہت ادب کے ساتھ، اس طرح فرماتے تھے کہ ''حافظ صاحب سے یہاں چوک ہو گئی'' پھر اس کو واضح فرماتے تھے بہت تحقیق سے پڑھاتے تھے، حوالہ پہ حوالہ دیتے تھے ایک مرتبہ دوران سبق میرے دل میں خیال ہوا کہ اتنے حوالے دے رہے ہیں کیا یہ سب صحیح ہوں گے فوراً فرمایا لاؤ بھائی فلاں الماری میں کتاب رکھی ہے اس میں یہ بات لکھی ہے کھول کر دکھلا دوں، کسی صوفی کے دل میں خیال آیا ہے کہ یہ حوالے صحیح بھی ہیں یا نہیں، میں بہت شرمندہ ہوا پانی پانی ہو گیا۔

عوام کو علماء اور مفتیان کرام کی مخالفت جائز نہیں، اتباع واجب ہے

پس معلوم ہوا کہ علماء کی مخالفت کسی طرح جائز نہیں حتی کہ اگر آپ کے سامنے

حدیث کا ترجمہ بھی موجود ہو تب بھی آپ کو علماء کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ ترجمہ سمجھنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے جیسے کہ قانون کا ترجمہ ہو گیا ہے مگر پھر بھی کوئی شخص جج کی مخالفت میں اپنی رائے پیش نہیں کرسکتا گو وہ کسی قانون کی کتاب کے حوالہ کے ساتھ ہو، اور اگر کرے تو اب بھی اس کا وہی حال ہوگا جو قانون کا ترجمہ نہ ہونے کی حالت میں ہوتا یعنی قانون کا مخالف قرار دیا جائے گا، تو اسی طرح اگر چہ حدیث کا ترجمہ بھی ہو گیا، مگر پھر بھی آپ کو اجتہاد کرنا اور علماء سے مزاحمت کرنا جائز نہیں اور جس طرح حکام کی مخالفت کرنے والا حقیقت میں گورنمنٹ کی مخالفت کرنے والا ہے، اسی طرح علماء کی مخالفت کرنے والا حضور کی مخالفت کرنے والا ہے۔

پس عقلی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ علماء کا اتباع آپ کو ضروری ہے اور وہ جو احکام بتاتے ہیں وہ درحقیقت خدا اور رسول کے احکام ہیں، پس جب یہ خدا ورسول کے احکام ہیں تو ہر مسلمان کو ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔(اتباع المنیب ملحقہ نظام شریعت ص ۱۹۹، ۲۰۰ وص ۲۰۶)

انصاف پسند یہودیوں کی جانب سے صہیونیت کی مخالفت

یہ باب بڑا دلچسپ ہے۔ یہودیوں اور صہیونیوں کی پیدا کردہ تباہی و بربادی کو جاننے کے لئے ہمیں عربوں ہی کی نہیں، بلکہ ان یہودیوں کی بھی سننی چاہیئے جو کہ اسرائیل میں آئے تھے اور ان کی رائے بھی لینی چاہیئے۔ اس سلسلے میں Nahan

Chifshi کے خیالات حد سے زیادہ اہم ہیں۔ وہ ان پہلے پہل کے صہیونی تارکین وطن میں سے تھا جن کا جوش ایک بھیانک تجربے میں تبدیل ہوگیا۔ جب اس نے اسرائیل کے قیام اور فلسطینی آبادی کے لئے غیر منصفانہ رویے کو دیکھا۔ وہ لکھتا ہے: "ہم آئے اور ہم نے مقامی عرب آبادی کو پناہ گزینوں میں تبدیل کردیا اور اس سب کے باوجود ہم ان کو گالی دیتے ہیں اور ان سے نفرت برتتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے کئے پر نادم ہوں، ہمیں شرم آئے اور ہم اس کا کچھ حد تک ازالہ کریں۔ ہم اپنے بھیانک کرتوتوں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کو مزید بڑھا چڑھا حسین منظرکشی کرتے ہیں"۔

(Page91, The Palestenians,Dimbleby)Chfsi

آگے چل کر لکھتا ہے: "صرف ایک اندرونی انقلاب ہی سے یہ طاقت ہمیں نصیب ہوسکتی ہے کہ عربوں سے قاتلانہ نفرت نہ کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ نفرت ہمارے لئے بالآخر تباہی لے کر آئے گی۔ اس وقت ہمیں احساس ہوگا کہ ہم پر ان بھیانک کرتوتوں کی کتنی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو کہ ہم نے عرب پناہ گزینوں کے ساتھ روا رکھے۔ ہم نے ان کے ساتھ کتنا برا کیا۔ ہم نے یہودیوں کو دنیا بھر سے (سات سمندر پار سے) فلسطین میں لا کر بسایا لیکن ان عربوں کی وراثتوں اور جاگیروں پر جن کے کھیت پر ہم کاشتکاری کرتے ہیں، جن کے باغوں کے پھل ہم کھاتے ہیں، جن کے انگور ہم اکٹھا کرتے ہیں اور جن کے شہروں میں ہم رہتے ہیں، ان کو ہم نے لوٹ لیا۔ عربوں سے زمین چھین کر ہم نے تعلیم، خیرات اور عبادت کے لئے عمارتیں کھڑی کرلیں اور ہم اپنے لوگوں

سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم اہل کتاب ہیں اور دوسری قوموں کے لئے نور ہیں"۔

(LibraryZionist Archive)

Jhon Magnes جو کہ Hebraw University کا چانسلر تھا، اس نے بھی صہیونیوں کا ذکر اس طرح کیا تھا:" وہ ظالم، طاقت کے نشے میں مست، مادیت پرست اور ظلم کے پجاری ہیں"۔ اسی طرح 1956ء میں ایک اسرائیلی کی میت کی تقریب میں موشے دایان (Moshe Dayan) کو اپنے ساتھی صہیونیوں سے یہ کہنا پڑا:"ہم ہوتے ہی آخر کون ہیں جو کہ ان کی نفرت کے خلاف شکایت کریں؟ اب آٹھ سال ہو چکے ہیں فلسطینی غزہ کے پناہ گزین کیمپوں تک محدود ہو گئے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہم ان زمینوں اور گاؤں کو اپنا گھر بنا لیتے ہیں جس میں ان کے آباءواجداد رہتے تھے"۔

(The Gun and The Olive Branch P172,"Hisst)

1921ء سے بھی قبل ایک یہودی مصنف Asher Ginzburg صہیونی تحریک کے رخ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا:"کیا یہ وہ منزل ہے جس کے لئے ہمارے والدین نے کوششیں کیں اور جس کی خاطر اتنی نسلوں نے مشقتیں جھیلیں ہیں؟ کیا صہیون (Zion) کی طرف واپسی کا یہی وہ خواب ہے جو کہ صدیوں سے ہمارے لوگ دیکھتے آئے ہیں لیکن اب جب ہم وہاں لوٹ آئے ہیں تو ہم زمین پر شب خون مار رہے ہیں۔ وہ بھی معصوموں کا؟ ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قربانی

دے کر اور تہذیب و تمدن کے اصولوں کی خاطر خود انھوں نے مشقتیں جھیلی ہیں، لیکن یہ آپس میں حریص ہیں اور پھر بھی خون بہا رہے ہیں اور اپنی انتقام کی خواہش کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد، بہت بعد، یعنی 1940ء کی دہائی میں ایک اور یہودی مصنف Rib Binyomin لکھتا ہے: "میں خود اپنے لوگوں کو پہچان نہیں پا رہا ہوں، کیونکہ ان کی روحوں میں تبدیلی آچکی ہے۔ ان لوگوں کے مظالم اور سفاکیت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بات سے بھی کہ عوامی رائے میں ان لوگوں کے کرتوتوں کو اچھی اور قابل ستائش نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا"۔

(P108,"The Ziinist Mind",Thylier)

ڈاکٹر وائز مین جو کہ ایک "روتھ شیلڈ" ایجنٹ اور سفارت کار تھا، اس نے 1944ء میں جب فلسطین کا دورہ کیا تو یہ بیان دیا تھا:

اس وقت ماحول بالکل Militorisation کا ہوگیا ہے (صہیونی آبادی اور رہنماؤں کا) اور اس سے بھی بری چیز جو کہ افسوسناک بھی ہے اور غیر یہودی بھی کہ دہشت گردی کا ارتکاب بھی جا رہا ہے"۔

(Zionist Archives and Library)

مشہور یہودی رہنما Hirsch جو کہ Neturei Karata کا ایک سابق حکمران تھا، اس نے بھی یہ بیان دیا: "صہیونیت یہودیت کے حیران کن حد تک خلاف ہے۔ یہودی لوگ ایک روحانی لطف اٹھا چکے ہیں کہ وہ بزور طاقت مقدس زمین پر واپس نہیں جائیں گے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو وہاں پر رہ رہے ہیں (یعنی مقامی

آبادی) ان کی خواہشات کے خلاف وہ ہرگز اس زمین میں نہیں جائیں گے۔ یہودی لوگوں کو مقدس زمین خدا کی طرف سے دی گئی تھی اور ہم نے اس پر گناہ کیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور ہمیں اس کی پاداش میں یہ سزا دی گئی کہ اس زمین کو دوبارہ لینے کی کوشش نہیں کریں گے"۔

(LibraryZionist Archaive)

یہ یہودی رہنما تو اس حد تک کہتا ہے:" ہولوکاسٹ بھی صہیونیت کی وجہ سے ہوا تھا"۔

اب نہیں معلوم کہ یہ شخص ہولوکاسٹ کو خدا کی پکڑ اس وجہ سے سمجھتا تھا کہ یہ سب صہیونیوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہوتا آیا تھا یا پھر صہیونی قیادت کے کالے کرتوتوں کو اس کی وجہ سمجھتا تھا؟ (" روتھ شیلڈ" اور اس کا نیٹ ورک اور اس کے سویت نازی اور امریکی حکومت کے ساتھ تعلقات) یہ بات تو واضح نہیں، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اسے صہیونیت کی مچائی گئی تباہی کا اندازہ ضرور ہو چکا تھا۔ (مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب)

میر کارواں کے مرتب مولانا اختر امام عادل فرماتے ہیں : میں نے مفتی صاحب (مفتی ظفیر الدین صاحبؒ) کی صحبتوں میں محسوس کیا کہ بزرگوں کا احترام کیسے کیا جاتا ہے؟ کسی مسئلے میں علمی اختلاف بھی ہو تو اس کے اظہار کے آداب کیا ہیں ؟ مفتی صاحب بھی کئی مسائل میں اپنی ایک رائے رکھتے تھے، مگر کبھی انہوں نے ان کی بنیاد پر اپنے مخالفین کے ساتھ توہین کا رویہ اختیار نہیں کیا، مفتی صاحب کے رجحانات ان کی اپنی ذہنیت کے عکاس تھے، ان میں کسی منفیت کا دخل نہیں تھا ، یوں بھی مفتی صاحب صلح کل انسان تھے، ہزار رنج سہنے کے باوجود مزاج کی نرمی

اور اخلاق کی بلندی میں فرق نہیں آتا تھا، اپنے سخت سے سخت مخالف سے ایسی خندہ پیشانی سے ملتے کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتا، ان کا تحمل ہی ان کی شخصیت کا حصار تھا ،ورنہ زندگی میں بالخصوص دیوبند میں جن حالات سے وہ دوچار ہوئے اور جیسی آزمائشوں سے انہیں گذرنا پڑا کہ ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کے قدم اکھڑ جاتے ،۔۔۔۔مفتی صاحب ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں رہے، اس دوران وہاں کے نظم وانتظام کے معاملات میں کئی بار اتھل پتھل آئی، طلبہ کی اسٹرائیکیں ہوئیں ،انقلابات آئے ،انتظامیہ بدلی ،مگر مفتی صاحب کا طرز عمل ہمیشہ دارالعلوم کے حق میں مخلصانہ اور منتظمین کے حق میں وفادارانہ رہا، انہوں نے کبھی دارالعلوم کی عزت ووقار پر اپنی ذات سے کوئی سوالیہ نشان لگنے نہ دیا، ایک موقعہ پر میڈیا کی طرف سے ایک سازش کے تحت دارالافتا کے خلاف فتووں کی خرید وفروخت کا الزام لگایا گیا اور اس کو کافی ہوا دی گئی ،لیکن اس میں مفتی صاحب کا نام کہیں نہیں آیا، اللہ پاک نے آپ کی حفاظت فرمائی ،جبکہ وہ اس وقت دارالعلوم کے سب سے سینئر مفتی تھے،۔ (فقیہ عصر میر کارواں)

کیا صحابہ وسلف صالحین میں اعتقادی اختلاف تھا؟

بعض حضرات کو ایک شدید غلط فہمی ہوئی ہے اور انھوں نے سلف صالحین میں بھی اعتقادی اختلاف ہونے کا دعوے کیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ سلف میں جو اختلاف تھا وہ صرف فروعی نہیں ؛ بلکہ اصولی واعتقادی بھی تھا؛ لہٰذا یہ کہنا کہ ان میں اصولی اختلاف نہیں تھا اور پھر اصولی اختلاف کو غلط قرار دینا صحیح نہیں ۔

ان حضرات نے سلف کے بعض اختلافات کا اس سلسلے میں ذکر کیا ہے، مثلاً یہ کہ صحابہ میں معراج کے بارے میں اختلاف تھا کہ وہ جسمانی تھی یا روحانی و منامی؟ اسی طرح حضرات صحابہ کرام کا اس میں اختلاف ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اللہ کا دیدار کیا یا نہیں؟ اسی طرح سلف میں اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ کفار ومشرکین کی نابالغ اولاد جنت میں جائے گی یا دوزخ میں؟

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "فإن أئمة السنة والحديث لم يختلفوا في شيء من أصول دينهم." (درء تعارض العقل والنقل: ۵/ ۳۶۳)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے:

"وقد تنازع الصحابة في كثير من مسائل الأحكام وهم سادات المؤمنين وأكمل الأمة إيمانا، ولكن بحمد الله لم يتنازعوا في مسئلة واحدة من مسائل الأسماء والصفات والافعال، بل كلهم على ثبات ما نطق به الكتاب والسنة كلمة واحدة من أولهم إلى آخرهم، الخ". (اعلام الموقعین: ۱/ ۴۹)

اصول میں اختلاف کرنے والوں کے ساتھ کیا رویہ ہو؟

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اصولی اختلاف مذموم ہے تو سوال یہ ہے کہ اصولی اختلاف کرنے والوں کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہونا چاہئے؟ کیا ان سے ہمنوائی

کرتے ہوئے ان کے اختلاف کو معمولی قرار دینا چاہیے یا یہ کہ اس اختلاف کا نوٹس لینا چاہیے؟ اور یہ کہ رواداری کے حدود کیا ہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقیدے و مسلک اہل سنت کا تعلق ہے، اس میں ہمارے اکابر و سلف نے کوئی تساہل و تغافل یا مداہنت کو روا نہیں رکھا، البتہ آپسی معاملات و معاشرت کی حد تک رواداری کو اس شرط کے ساتھ روا رکھا گیا کہ اس سے کوئی دینی نقصان نہ ہو۔ یہاں اجمالاً چند دلائل کی جانب اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

اس سلسلے میں قرآن کریم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

{لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ} (المجادلة:۲۲)

(جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہیں پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں، اگرچہ کہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔)

ایک جگہ فرمایا ہے کہ:

{وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ} (ھود:۱۱۳)

(اور مت جھکو ان لوگوں کی جانب جو ظالم ہیں، کہیں تم کو بھی دوزخ کی آگ نہ چھو لے۔)

امام قرطبی رحمہ اللہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

”والصحیح فی معنی الآیة أنها دالة علی هجران أهل الکفر والمعاصی من أهل البدع وغیرهم فان صحبتهم کفر أو معصیة اذ الصحبة لاتکون إلا عن مودة۔“

(اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل کفر و اہل معصیت، بدعتی وغیرہ لوگوں سے الگ رہنے پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ ان لوگوں کی صحبت یا تو کفر ہے یا معصیت؛ کیوں کہ کسی کی صحبت اس کی محبت کی وجہ ہی سے ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی:۹/۱۰۸)

نیز احادیث میں اس کو ایمان کا کمال قرار دیا گیا ہے کہ محبت و بغض اللہ کے لیے رکھا جائے۔

حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت معاذ بن انس جہنی رضي اللّٰہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أعطی للّٰہ و منع للّٰہ و أحب للّٰہ و أبغض للّٰہ فقد استکمل إیمانه۔

(جو اللہ کے لیے دے اور اللہ ہی کے لیے منع کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت رکھے اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض رکھے تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔) (ترمذی:۵۲۱، ابوداود:۴۶۸۱، حاکم: طبرانی معجم کبیر)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مشی إلی صاحب بدعة لیوقره فقد أعان علی هدم الاسلام۔

(جو شخص کسی بدعتی کے پاس اس کی تعظیم کرنے کے لئے جائے تو اس نے اسلام کے منہدم کرنے میں اس کی مدد کی ۔ (الشریعۃ للآجری: ۲/ ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ: لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم۔ (ابو داود: ۴۷۱۲، مسند احمد: ۲۰۶، ابن حبان: ۷۹، ابویعلی: ۲۴۵، سنن کبری بیہقی: ۱۰/ ۲۰۴)

اسی سے ائمہ وعلما نے یہ اخذ کیا ہے کہ گمراہ و باطل عقائد رکھنے والوں اور بدعات و جاہلانہ امور کو دین قرار دینے والوں سے محبت نہ رکھنا چاہیے؛ بل کہ ایسے لوگوں سے بغض رکھنا چاہیے۔

امام دار الہجرۃ مالک بن انس رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ سے قدریہ فرقے سے بغض وعداوت رکھنے اور ان سے میل ملاپ نہ رکھنے پر استدلال کیا ہے۔

امام اشہب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: قدریہ سے مجالست نہ رکھو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ} (المجادلۃ:۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: روئے زمین پر میرے نزدیک قدریہ فرقے سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں اور یہ صرف اس لیے کہ وہ اللہ کی قدر نہیں جانتے۔ (اتفسیر قرطبی: ۱۷/ ۳۰۸)

یحیٰی بن یعمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا

کہ ایک قوم عراق میں پیدا ہوگئی ہے جو قرآن پڑھتی اور سمجھتی ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إذا لقيتموهم فقولوا: إن ابن عمر بَرِيٌّ منهم، وأنهم مني برآء۔"

(جب ان سے تمہاری ملاقات ہوتو کہہ دینا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بری ہیں۔ (الشریعۃ للآجری: ۱/ ۴۸۱، اعتقاد اہل السنۃ لالکائی: ۴/ ۵۸۶، الإیمان لابن أبي شیبۃ: ۱۱۸، الاعتقاد للبیہقی: ۱۳۳)

ابو قلابہ، حسن بصری، شعبی رحمہم اللہ وغیرہم سے مروی ہے:

"لا تجالسوا أصحاب الأهواء ولا تجادلوهم۔"

(ہوا پرستوں میں اٹھنا بیٹھنا نہ رکھو اور نہ ان سے بحث مباحثہ کرو۔ (اصول السنۃ لابن ابی الزمنین: ۲۹۲، الاعتقاد للبیہقی: ۲۳۸، اعتقاد اہل السنۃ لالکائی: ۱/ ۱۳۳، و ۴/ ۶۸۷)

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جو کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے اللہ تعالی اس کو موت سے پہلے اندھا بنا دیتے ہیں۔ (المجالسۃ: ۱/ ۴۱۳)

امام محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وَ قَدْ مَضَتِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ وَ أَتْبَاعُهُمْ وَعُلَمَاءُ السُّنَنِ عَلٰى هٰذَا مُجْمِعِيْنَ مُتَّفِقِينَ عَلٰى مُعَادَاةِ أَهْلِ الْبِدَعِ وَمُهَاجَرَتِهِمْ۔"

(حضرات صحابہ وتابعین و تبع تابعین اور علمائے اہل سنت سب کے سب اہل بدعت سے عداوت و دوری رکھنے پر متفق و متحد ہیں۔ (شرح السنۃ: ۱/ ۲۲۷)

امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”إِنَّ فِرْقَةَ النَّجَاةِ وَ هُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ مَأْمُوْرُوْنَ بِعَدَاوَةِ أَهْلِ الْبِدَعِ، وَالتَّشْرِيْدِ بِهِمْ، وَالتَّنْكِيْلِ بِمَنْ انْحَاشَ إِلٰى جِهَتِهِمْ، وَنَحْنُ مَأْمُوْرُوْنَ بِعَدَاوَتِهِمْ، وَ هُمْ مَأْمُوْرُوْنَ بِمُوَالَاتِنَا، وَالرُّجُوْعِ إِلَى الْجَمَاعَةِ۔“

(نجات پانے والا فرقہ وہ اہل سنت ہیں، اہل بدعت سے عداوت رکھنے، ان سے علاحدگی اختیار کرنے اور جو لوگ ان کی جانب مائل ہیں ان کو سزا دینے کے مأمور ہیں اور ہمیں ان سے عداوت رکھنے کا اور ان کو ہم سے دوستی رکھنے اور اہل سنت والجماعت کی جانب رجوع کرنے کا حکم ہے۔ (الاعتصام: ۱/ ۱۲۰)

امام ابوعثمان اسماعیل الصابونی رحمہ اللہ ”عقیدۃ السلف“ میں لکھتے ہیں:

”وَ اتَّفَقُوْا مَعَ ذٰلِكَ عَلَى الْقَوْلِ بِقَهْرِ أَهْلِ الْبِدَعِ، وَإِذْلَالِهِمْ، وَ إِخْزَائِهِمْ، وَ إِبْعَادِهِمْ، وَ إِقْصَائِهِمْ، وَ التَّبَاعُدِ مِنْهُمْ، وَ مِنْ مُصَاحَبَتِهِمْ، وَ مُعَاشَرَتِهِمْ، وَالتَّقَرُّبِ إِلَى اللهِ تَعَالٰى بِمُجَانَبَتِهِمْ وَ مُهَاجَرَتِهِمْ۔“

(اسی کے ساتھ اہل سنت نے اہل بدعت کے مقہور و ذلیل ورسوا کرنے اور اپنے سے دور کرنے، اور ان کو دور رکھنے، ان کے ساتھ مصاحبت ومعاشرت اختیار نہ کرنے اور ان سے علاحدگی کے ذریعہ اللہ کا قرب پانے پر اتفاق کیا ہے۔ (عقیدۃ السلف: ۳۹)

ابوالجوزاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" لأن يجاورني القردة والخنازير في دار أحبُّ إلى من أن يجاورني رجل من أهل الأهواء۔"

(بندر و خنزیر کسی گھر میں میرے ساتھ رہیں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میرے ساتھ ہوا پرست بدعتیوں میں سے کوئی آدمی رہے۔) (اعتقاد لالکائی: ۱/۱۳۱، الابانۃ لابن بطہ: ۲/۴۶۷)

یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"إذا لقيت صاحب بدعة في طريق فخذ في طريق آخر"۔

(اگر کسی بدعتی سے راستے میں ملاقات ہو جائے تو تو دوسرا راستہ اختیار کر لینا۔

(شعب الایمان بیہقی: ۱۲/۵۷)

حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا:

"علامة البلاء أن يكون خدن الرجل صاحب بدعة۔"

(بلاء میں مبتلاء ہونے کی علامت یہ ہے کہ آدمی کے دوست احباب بدعتی ہوں۔

(شعب الایمان: ۱۲/۶۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور کفر و اسلام کے درجہ میں ہے، اس کا حکم ظاہر ہے کہ اہل اسلام کو کفر کے ساتھ اختلاف کرنا اور بلا ضرورت شدیدہ یا بلا مصلحت شرعیہ اختلاط و ارتباط کرنا محمود مطلق و واجب ہے......

قرآن مجید میں جا بجا اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ دینی اختلاف کرنے کا حکم مؤکد وارد ہے۔“

كقوله تعالى: {ولا تتبع اهواءهم عما جاءك من الحق} و كقوله: {ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار} وغيرهما من الآيات۔(۱)

نیز اصولی اختلاف کی دوسری قسم یعنی جس سے سنت و بدعت کا اختلاف پیدا ہوتا ہے، اس کے بارے میں حضرت کہتے ہیں:

”جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور سنت و بدعت کے درجہ میں ہے، اس اختلاف کا حکم بھی باستثناء احکام مخصوصہ بالکفار وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔“ (بوادر النوادر: ۲/ ۶۷۴)

اس کے ساتھ اسلاف سے یہ بھی ملتا ہے کہ بعض فرق باطلہ کے لوگوں سے رواداری معاشرت و اخلاق کی حد تک جائز رکھا، جس کی مثالیں بھی تاریخ نے ضبط کی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک مسلک کا معاملہ ہے، اس میں اسلاف نے کبھی کوئی مداہنت و رواداری کو قبول نہیں کیا، ہاں جہاں تک معاشرت و اخلاقی تعلقات ہیں، اس حد تک رواداری فرمائی، ایک دوسرا کا لحاظ فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کفر و شقاق سے محبت نہیں رکھی جا سکتی؛ بل کہ ان سے بغض رکھنا لازمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ معاملات و معاشرات میں رواداری و اخلاق کا برتاؤ رکھا جائے گا۔

اسی لیے علما اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ اہل بدعت و گمراہ لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی گنجائش نہیں۔

ان تمام حوالجات سے مسلک اہل سنت کی یہ وضاحت سامنے آ گئی کہ اصولی اختلاف رکھنے والوں سے اختلاف کیا جائے گا اور اس سے اتفاق کرنا جائز نہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

مباحثہ نرمی خیر خواہی اور عمدہ خطاب سے کرنا چاہئے

البتہ یہاں ایک اور بات پر توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ مختلف فرقوں اور ان کے باطل و غلط نظریات سے اختلاف کرنا اور اس سے اتفاق نہ کرنا تو لازم ہے؛ لیکن اس تردید و اختلاف میں وہ صورت اختیار کرنا چاہیے جو قرآن وسنت نے ہمیں تعلیم دی ہے اور اسوۂ نبوی نے فراہم کیا ہے؛ کیوں کہ قرآن کریم نے ہمیں ایسے وقت کے لئے ”وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ“ کی تعلیم دی ہے کہ اگر بحث و مباحثہ و مناظرہ کی نوبت آ جائے تو اچھے انداز سے مناظرہ و مباحثہ کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مباحثہ نرمی و خیر خواہی اور عمدہ خطاب سے ہونا چاہئے۔

مفسر قرآن علامہ ابوحیان رحمہ اللہ نے ”البحر المحیط“ میں اس کی تفسیر ان الفاظ سے لکھی ہے:

”وجادلهم بالتي هي أحسن طرق المجادلة من الرفق واللين من غير فظاظة ولا تعنيف۔“

(اور ان سے مباحثہ کرو اس عمدہ و بہتر طریقہ سے جس میں بغیر سختی و درشتی کے نرمی و ملاطفت ہو۔ (البحر المحیط:٦/ ٦١٣)

اور یہی بات علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے بھی مزید وضاحت سے اس کی تفسیر میں بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

’’بالطريقة التي هي أحسن طرق المجادلة من الرفق واللين وإيثار الوجه الأيسر والمقدمات التي هي أشهر فإن ذلك أنفع في تسكين لهبهم و تبيين شغبهم۔‘‘

(اور ان سے مباحثہ کرو اس عمدہ و بہتر طریقہ سے جس میں نرمی و ملاطفت ہو اور آسان صورت اور مشہور مقدمات اختیار کئے جائیں ؛ کیوں کہ یہ ان (مخالف لوگوں) کے بھڑکاؤ کی تسکین اور ان کے ہنگامے کو واضح کرنے میں زیادہ نفع بخش ہے۔ (تفسیر البیضاوی:٣/ ٤٢٧)

الغرض اصولی اختلاف کرنے والوں سے اختلاف تو کیا جانا چاہیے؛ مگر ایسا نہیں کہ ان کو گالی دی جائے یا طعن و تشنیع سے کام لیا جائے یا گری ہوئی زبان استعمال کی جائے؛ بل کہ قرآن اور انبیا کی تعلیم کے مطابق نرمی و سنجیدگی، علمی دلائل و محکم براہین سے کام لیا جائے، ورنہ یہ بھی ایک قسم کا غلو فی الدین ہوگا۔

اختلاف کی دو قسمیں

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ اختلاف

جو اسلام کے بنیادی عقائد اور مسلمہ و منصوص مسائل میں ہو؛ اور ان میں اختلاف؛ شریعت وسنت کی شاہراہ سے ہٹا کر انسان کو بدعات وخرافات اور گمراہیوں کی طرف لے جاتا ہے، جیسے قادیانی فرقہ کا اختلاف ۔ظاہر ہے کہ اس فرقہ کا اختلاف معمولی اور جزوی وفروعی اختلاف نہیں ہے بل کہ اتنا سخت اختلاف ہے کہ اس اختلاف کی بنا پر اس کا رشتہ اسلام سے یکسر کٹ جاتا اور ختم ہو جاتا ہے ۔ کیوں کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر النبیین ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا باب کلیۃً مسدود و بند کر دیا۔لیکن قادیانی فرقہ اس مسئلہ اور بنیادی عقیدہ کے خلاف پنجاب کے کذّاب ودجّال ایک جھوٹے دعوے دارِ نبوت کو نبی مانتا ہے ۔لہٰذا یہ اختلاف معمولی اختلاف نہیں ۔اسی طرح شیعہ کا اختلاف بھی بنیادی عقائد اور مسلمہ مسائل میں اختلاف ہے،اسی طرح بعض لوگوں کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور اولیاء کو عالم الغیب وحاضر و ناظر اور مشکل کشا وغیرہ ماننا ،اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے،اسی طرح اسلام میں نئی نئی باتوں کو پیدا کرنا اور دین کے نام پر رواج دینا اور ان بدعات وخرافات کے لیے آیات واحادیث میں بے جا تاویل؛ بل کہ تحریف سے کام لینا بھی اختلاف کی اسی قسم میں سے ہے جو انسان کو سنت وشریعت کی شاہراہ سے ہٹا دیتا ہے، اس لیے اس قسم کا اختلاف شرعاً مذموم و ممنوع ہے اور اس قسم کے اختلاف پر حدیث میں سخت وعید بھی آئی ہے۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں ہوتا ہے

اور ایسا اختلاف صدرِ اول صحابہ کے زمانے سے برابر چلا آرہا ہے، بلکہ اس قسم کا اختلاف خود دورِ رسالت میں بھی حضرات صحابہ کے درمیان ہوا ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف کی دونوں جہتوں کی تصویب فرمائی ہے (اس کی تفصیل آگے آئے گی) کیوں کہ خود دلائل میں دونوں جہتوں اور شقوں کی گنجائش ہوتی ہے ایک بات منصوص اور فیصل نہیں ہوتی، ایسے اختلاف کو اجتہادی وفروعی اختلاف کہا جاتا ہے یہ اختلاف نہ مذموم ہے نہ ممنوع ہے؛ بلکہ یہ فطری وطبعی ہونے کے ساتھ باعث رحمت بھی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ (از: مفتی محمد شعیب اللہ خان)

فروعی اختلاف مذموم نہیں

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان دونوں قسم کے اختلاف کا حکم و درجہ یکساں نہیں ہے بل کہ دونوں کے درجہ میں ایسا ہی فرق ہے جیسے زمین وآسمان میں اور حق و باطل میں اور حرام وحلال میں ہے۔ مگر بعض لوگ اس فرق کو نظر انداز کر کے دونوں اختلافات کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں اور دونوں کو مذموم وحرام قرار دیتے ہیں اور ان آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہیں جو اختلاف کی قسم اول کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ان آیات واحادیث سے صرف اس اختلاف کی مذمت و برائی ثابت ہوتی ہے جو بغیر دلیل شرعی نفسانیت وشرارت سے کیا جائے اور بنیادی ومسلمہ عقائد ومسائل میں ہو لیکن دوسری قسم کا اختلاف جو دلائل کی روشنی میں کیا جائے۔ اور اجتہادی وفروعی مسائل میں ہو ان سے اس کا مذموم ہونا ثابت نہیں

ہوتا۔ مثال کے طور پر قرآن میں متعدد جگہ فرمایا کہ ’’آپس میں اختلاف نہ کرو‘‘۔ (آل عمران: ۱۰۳)

ایک جگہ فرمایا کہ ’’تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اختلاف کیا اور متفرق ہو گئے (آل عمران: ۱۰۵)

ان آیات میں جس اختلاف سے ممانعت کی گئی ہے وہ وہ اختلاف ہے جو کفار کی طرح عقائد و مسلمات میں کیا جائے جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا یا کم از کم سنت کی شاہراہ سے ہٹ کر بدعت کی گمراہی میں ملوث ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں سے آل عمران کی آیت ۱۰۳ کی تفسیر میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا جونا گڑھی کے ترجمہ قرآن پر حواشی میں مولانا صلاح الدّین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

’’وَلَا تَفَرَّقُوا ’اور پھوٹ نہ ڈالو‘ کے ذریعہ فرقہ بندی سے روک دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں (تقویٰ اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا) سے انحراف کرو گے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے، چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجئے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئیگی قرآن و حدیث کے فہم اور اسکی توضیح و تعبیر میں کچھ باہم اختلاف یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے، یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گرہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔‘‘

مذکورہ تشریح سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے؛ بلکہ قرآن و

حدیث کے فہم اور تشریح وتوضیح اور تفسیر وتعبیر میں صحابہ میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ اور ایسا اختلاف گروہ بندی وفرقہ بندی کا سبب بھی نہیں جس سے قرآن نے روکا ہے۔ ہاں جنہوں نے ان اختلافات فرعیہ کی بنیاد پر فرقہ بندیاں کیں ہیں وہ ضرور ماٴخوذ ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل کا اختلاف ان آیات میں مراد نہیں ہے؛ بلکہ ان سے مراد پہلی قسم کا اختلاف ہے۔

اسی طرح حدیث میں جس اختلاف وافتراق سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد بھی یہی پہلی قسم کا اختلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی اور یہ سارے فرقے دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے، صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ وہ ایک فرقہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جو اس طریقہ پر قائم ہو جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔'' (ترمذی:۲/۹۲ مشکوۃ:۳۰)

اس حدیث میں جو اُمت کے اختلاف وافتراق کا ذکر کر کے سارے فرقوں کو جہنمی اور صرف ایک فرقہ کو جنتی قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی یہ مسائل کا اختلاف مراد نہیں ہے، بل کہ عقائد واصول میں اختلاف مراد ہے، بعض لوگ اس حدیث کو پیش کر کے ان فرقوں سے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکاتب فکر مراد لیتے اور ان مکاتب فکر کے لوگوں کو نعوذ باللہ جہنمی قرار دیتے ہیں؛ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، اس حدیث سے یہ اختلاف ہرگز مراد نہیں، چناں چہ اہل حدیث کے مشہور عالم علامہ عبیداللہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

’’حدیث میں افتراق سے مراد مطلق افتراق نہیں ہے کہ اس میں وہ اختلاف بھی داخل ہو جائے جو فروعی مسائل میں خلفاء راشدین پھر دیگر صحابہ پھر تابعین پھر ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں واقع ہوا بلکہ مراد اس سے ایک خاص اختلاف وافتراق ہے، اور وہ اختلاف وتفرق ہے جس سے پارٹیاں اور جماعتیں بن گئیں اور بعض نے بعض سے جدائی اختیار کی جو آپسی محبت والفت اور تعاون وتناصر پر قائم نہیں ہیں، بلکہ اس کی ضد یعنی ہجر، قطع تعلق عداوت اور بغض اور ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر وتفسیق پر قائم ہیں (پھر فرمایا کہ) کہا گیا ہے کہ اس اختلاف سے مراد اصول اور عقائد میں بدعتیں پیدا کرنا ہے۔ نہ کہ فروعات اور عملیات میں الخ۔‘‘ (مرعاۃ المفاتیح:۱/۱۷۰-۱۷۱)

علامہ عبید اللہ صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں وہ اختلاف مراد نہیں ہے جو فروعی واجتہادی مسائل میں صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین جیسے امام شافعی وامام مالک وامام ابو حنیفہ وامام احمد وامام اوزاعی وامام سفیان ثوری رحمھم اللہ وغیرہ کے زمانوں میں واقع ہوا۔

الغرض! آیات واحادیث میں جس اختلاف کی مذمت وبرائی آئی ہے، اس سے پہلی قسم کا اختلاف مراد ہے یا اس سے مراد گروہ بندی وپارٹی بازی ہے۔ جس کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر وتفسیق وتضلیل کی جائے، اور ان جزوی مسائل کی بنا پر حسد و بغض رکھا جائے، یہ بلا شبہ سخت قبیح چیز ہے رہا فروعی مسائل میں آراء کا اختلاف جو قرآن وحدیث کے فہم اور ان کی تعبیر وتشریح میں تفاوت کی بنا پر واقع ہوا وہ نہ قرآن و حدیث میں مذموم ٹھہرایا گیا نہ ممنوع قرار دیا گیا۔

صحابہ میں اختلافِ مسائل کی مثالیں

بلکہ ایسا اختلاف تو صحابہ کے درمیان بھی پیش آیا، اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف آراء کو مذموم نہیں ٹھہرایا؛ بلکہ دونوں جہتوں کی تحسین و تصویب فرمائی یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو اشخاص نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر ان کو پانی مل گیا، جب کہ ابھی اس نماز کا وقت باقی تھا، تو ایک صاحب نے پانی سے وضو کر کے وہ نماز دہرائی اور دوسرے صاحب نے نماز نہیں دہرائی پھر (جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو) آپ سے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے نماز نہ دہرانے والے صحابی سے فرمایا کہ تم نے سنت کے موافق کیا اور دوسرے صحابی سے فرمایا کہ تم کو پورا ثواب (دونوں نمازوں کا) ملا۔ (نسائی: ۱/ ۷۵)

اس حدیث میں غور فرمایئے کہ نماز کے وقت پانی نہ ملا تو دو صحابہ نے حسبِ حکم شرع تیمم کر کے نماز پڑھ لی، نماز کے بعد وقت کے اندر اندر ان حضرات کو پانی مل گیا تو ان میں اختلاف ہو گیا، ایک صحابی نے سمجھا کہ چوں کہ وقت کے اندر پانی مل گیا ہے، لہٰذا تیمم سے ادا کی ہوئی نماز باطل ہو گئی، دوبارہ پڑھنا چاہیئے دوسرے صحابی نے سمجھا کہ جب نماز پڑھ چکے تو اب پانی ملنے سے اس پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے نہیں دہرائی اس اختلاف رائے کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بُرا نہیں سمجھا؛ بلکہ دونوں کی تصویب کی ،البتہ ایک کے اجتہاد کو موافق سنت قرار دیا اور دوسرے کو بُرا نہیں کہا؛ بلکہ فرمایا کہ دونوں

نمازوں کا ثواب تم کو مل گیا۔

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن صحابہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے اور بعض صحابہ کو راستہ میں ہی عصر کا وقت آ گیا، تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک کہ اس جگہ (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں اور بعض نے کہا کہ ہم تو نماز (راستہ میں ہی) پڑھیں گے ، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ نہیں تھا (کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی راستہ میں نماز نہ پڑھو، بل کہ آپ کا منشا یہ تھا کہ عصر کا وقت ہونے سے پہلے اس جگہ پہنچنے کے لیے جلدی کریں) پھر یہ اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا مگر آپ نے کسی کو بھی بُرا نہیں فرمایا۔ (البخاری: ۲/ ۵۹۱)

اور مسلم میں اس واقعہ میں عصر کے بجائے ظہر کا ذکر ہے۔ (مسلم: ۳۳۱۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علما نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کرنے والے کو (کسی بھی صورت میں) گناہ نہیں ؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی دونوں جماعتوں میں سے کسی پر بھی زجر و توبیخ نہیں فرمائی۔ اگر یہاں کوئی گناہ کی بات ہوتی تو گنہ گار پر عتاب فرماتے۔ (فتح الباری: ۷/ ۴۱۰)

معلوم ہوا کہ اجتہادی فروعی مسائل میں اختلاف کوئی مذموم چیز نہیں ؛ بلکہ شرعاً اس کی پوری طرح گنجائش ہے۔

نیز بڑے بڑے صحابہ میں متعدد مسائل میں اختلاف رہا ہے۔ مثلاً حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوٹوٹ جا تا ہےؓ اور وہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بھی بیان فرماتے ہیںؓ مگر جمہورِ صحابہ وتابعین اس کے قائل نہیں تھے۔ امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

بعض اہل علم آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو (واجب ہونے) کے قائل ہیں؛ مگر اکثر اہل علم صحابہ وتابعین میں سے اس کے ترک پر ہیں یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو کے قائل نہیں۔ (ترمذی:۱/ ۲۴)

اونٹ کا گوشت کھانے سے وؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہم وضوٹوٹ جانے کے قائل تھے جب کہ دوسرے صحابہ جیسے حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علیؓ حضرت سُوید بن غفلۃ رضی اللہ عنہم اس کے خلاف وضو نہ ٹوٹنے کے قائل تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/ ۶۳-۶۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بغلوں کے بال کی صفائی کے بعد وضو کو ضروری قرار دیتے تھے اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس کے قائل نہ تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بغل کے بالوں کی صفائی کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔ (ابن شیبہ:۱/ ۷۰)

گویا صحابہ میں اس مسئلہ میں تین مسلک تھے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن کے پیش کرنے سے مقصود صرف نمونہ دکھانا ہے۔ استقصا وا حاطہ پیش نظر نہیں ہے۔ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ

صحابہ میں سینکڑوں مسائل میں اختلاف رہا ہے ۔معلوم ہوا کہ ایسا اختلاف جو فروعی مسائل میں ہوتا ہے، قابل ملامت و مذمت نہیں ؛بل کہ مستحسن ہے۔ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبھی اس کو روا نہ رکھتے۔

اختلاف کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟

آگے حضرت مفتی شعیب اللہ خان صاحب نے فرمایا: حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین یا بعد کے ائمہ میں جو مختلف فروعی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا ؛اس کی وجہ و بنیاد نعوذ باللہ یہ نہیں کہ ان میں ایک قرآن و حدیث کو مانتا تھا اور دوسرا قرآن و حدیث کو نہیں مانتا تھا اور محض نفسانیت و شرارت اور اپنی عقل و فہم کی بنا پر مسائل بیان کرتا تھا؛ ایسا سمجھنا انتہائی غلط اور صحابہ و ائمہ دین سے سوءظنی و بد گمانی کی بدترین قسم ہے ؛ بلکہ اس اختلاف کی وجہ و بنیاد ایک دوسری ہی بات ہے،اور وہ یہ کہ بعض آیات اور احادیث میں مراد و مطلب صریح و واضح نہیں ہوتا ؛ بلکہ اس میں متعدد احتمالات کی گنجائش ہوتی ہے،اور ایک شخص اس کے ایک معنی لے لیتا ہے اور دوسرا دوسرے معنی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیات و احادیث میں بہ ظاہر تعارض وٹکراؤ معلوم ہوتا ہے،اور یہ واضح و مسلم ہے کہ اللہ و رسول کے کلام میں تعارض نہیں ہوسکتا ،لہٰذا علما و ائمہ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے کبھی تطبیق سے اور کبھی ترجیح سے کام لیتے ہیں ۔اب علما میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے، کوئی تطبیق کی راہ اختیار کرتا ہے اور کوئی ترجیح پر

چلتا ہے۔ پھر تطبیق کی بھی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں کوئی کسی صورت کو اختیار کرتا ہے، کوئی دوسری صورت کو لیتا ہے۔ نیز کبھی اختلاف اس لیے پیدا ہوجاتا ہے کہ احادیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں محدثین میں اختلاف ہوتا ہے کیوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا بھی ایک اجتہادی کام ہے۔ لہٰذا ایک محدث ایک حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے، مگر دوسرے محدث کے پاس وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے پھر اسی پر علما وائمہ میں مسائل میں اختلاف ہوجاتا ہے، ایک فقیہ اس حدیث کو صحیح قرار دے کر لے لیتا ہے اور عمل کرتا ہے اور دوسرا فقیہ اس پر عمل نہیں کرتا اور اس کو ضعیف قرار دیتا ہے ،کیوں کہ اس کے نزدیک وہ ضعیف ہوتی ہے اس طرح ائمہ؛ بلکہ صحابہ میں اختلاف رونما ہوا اور اس کو شرعاً گوارا کیا گیا، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔

صحابہ کے اختلاف کے دوررس اثرات

پھر صحابہ کا یہی اختلاف بعد کے ادوار میں منتقل ہوا، اور مختلف حلقوں نے اپنے ذوق اور سہولت کے لحاظ سے مختلف صحابہ کا اثر قبول کیا، نقطۂ نظر کا اختلاف ہوا، شخصیات اور حالات کے لحاظ سے رجحانات میں فرق آیا، اور مختلف اجتہادی کوششوں کے نتیجے میں مختلف مکاتب فقہ وجود میں آگئے، مدینہ میں حضرت سعید بن مسیب، اور سالم بن عبداللہ کا مسلک فقہی رائج ہوا، ان کے بعد زہری، قاضی یحيٰ بن سعید، اور ربیعہ بن عبدالرحمن کا دور رہا، مکہ میں عطاء بن رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول کو درجۂ امامت حاصل ہوا۔

اس طرح بعد کے فقہاء کے لیے اختلاف کا راستہ کھل گیا، اور قرن اول کے بعد کثرت سے مجتہدین پیدا ہوئے، اور فروعی مسائل کو انہوں نے اسلام کے بنیادی اصول اور اساسی مزاج کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی، جس پر ہر علاقے کے اپنے حالات وظروف اور پیشرو شخصیات کی چھاپ تھی، چونکہ اس علم کی بنیاد روایت پر ہے اس لیے اس کے لیے شجرۂ نسب کی صحت، اور اتصال بے حد ضروری ہے، اور اسی وجہ سے ہر بعد والے نے اپنے قبل والے سے علم حاصل کیا، جس کا قدرتی اثر یہ ہوا کہ جس کو جس استاذ سے علم سیکھنے کا موقعہ ملا، اس نے بالعموم اس کے معیار کو قبول کیا، اور اس نے بھی اسی نقطۂ نظر سے واقعات کا مطالعہ کیا، جس سے کہ اس کے مشائخ نے کیا تھا، اور اجتہاد واستنباط میں اس نے بھی وہی منہج اختیار کیا جو اس کے اساتذہ کا تھا، اس طرح ہر علاقے کے علماء وفقہاء پر وہاں کے پیشرو اکابر ومشائخ کے اجتہاد کی چھاپ پڑی، اور یہی بنیادی سبب بنا فقہاء کے اختلاف کا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس پہلو کو مرکزی اہمیت دی ہے، اور اس پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

مثلاً حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فقہی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور تابعین میں حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، عطا، رحمۃ اللہ علیہ عبید اللہ بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ، اور دیگر فقہاء مدینہ کے اقوال و افکار کی چھاپ پڑی، مشہور ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے اجماع کو حجت قرار دیتے تھے، اس لیے کہ مدنیہ ہر دور میں علماء اور فقہاء کا مرکز رہا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی کسی متفقہ مسئلہ کے بارے میں کہتے تھے:

السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا و کذا۔

یعنی جس سنت میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں وہ یہ ہے اور یہ ہے“۔

کوئی مسئلہ خود علماء مدینہ کے درمیان اختلافی ہوتا تو وہ اپنے ذوق اجتہاد یا کثرت قائلین یا قیاس قوی یا کتاب وسنت کی کسی تخریج سے موافقت کی بنیاد پر انہی میں سے کسی قول کا انتخاب کرتے تھے، ایسے مواقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، ”ہذا احسن ماسمعت“ ”یہ میرے سنے ہوئے اقوال میں سب سے بہتر قول ہے“۔

دوسری طرف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فقہاء کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت شریح، حضرت شعبی، اور حضرت ابراہیم نخعی، کے اقوال و مجتہدات کا اثر قبول کیا، اسی کا اثر تھا کہ حضرت علقمہ نے شریک کے مسئلے میں حضرت مسروق کا میلان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف دیکھا تو کہا، ”ھل احد منھم اثبت من عبد اللہ“ ”کیا ان میں کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بھی مضبوط عالم ہے؟“۔

اختلاف،شکست کا سبب بن گیا

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگِ احد میں صحابہ میں کچھ اختلاف ہو، اتو ان کی ہوا اُکھڑ گئی اور وہ شکست کھا گئے۔ (القرطبي: ۸/۲۵)

اس قول کی شرح یہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقعے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو ایک مورچہ پر قائم فرما کر ان کو حکم دیا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا، اگر ہم کو قتل ہوتے ہوئے دیکھو، تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور ہم کو فتح پائے دیکھو، تب بھی ہم میں شریک نہ ہونا۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تبھی سے مسلمانوں کا پلڑا غالب رہا اور کفار برابر شکست کھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ رسوا و پسپا ہو کر بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوئے اور یہ تیر اندازوں کی جماعت اختلاف کرنے لگی اور وہ بھی غنیمت کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگئی، اس اختلاف کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ کفار اسی مورچے سے مسلمانوں پر بہ یک دم حملہ آور ہوئے اور یہ اچانک حملہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، اللہ نے {S صلی اللہ علیہ وسلم} میں اس واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے۔معلوم ہوا کہ اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا اُکھڑ جاتی اور مقابل پر سے رعب ختم ہو جاتا ہے۔

بڑوں کا اختلاف اور ہمارے لیے عبرت

حضرت مفتی شعیب اللہ صاحب فرماتے ہیں: ایک واقعہ یاد آ گیا، جو بڑ اسبق آموز ہے، حضرت مرشدی مسیح الامت رحمہ اللہ اور حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ دونوں ساتھی ہیں اور ایک مسئلے میں دونوں حضرات کا

آپسی اختلاف بھی ہے، مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جو حق تھا، انھوں نے اس کو ایک رسالہ ''شوریٰ واہتمام'' میں دلائل کے ساتھ لکھ دیا اور حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کے نزدیک جو حق تھا، آپ نے بھی دلائل کے ساتھ ''رسالۂ اہتمام وشوریٰ'' میں تحریر فرمادیا ہے؛ مگر اس اختلاف کا منشا نہ شر تھا، نہ عصبیت نہ کوئی چیز؛ بلکہ اس کا منشا قرآن وحدیث کے دلائل تھے؛ لہٰذا نہ آپس میں کوئی مخالفت ہوئی، نہ گالی گلوج کا سوال، نہ عیب جوئی، نہ بدگوئی؛ بلکہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ اس اختلاف کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو دہلی جانا تھا، راستے میں ''جلال آباد'' حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی بستی سے گزرنا بھی تھا، تو جاتے ہوئے ملاقات کا ارادہ فرمایا اور بس اڈے پر اترنے کے بہ جائے، ''مدرسۂ مفتاح العلوم'' کے گیٹ کے قریب اتر گئے؛ مگر چوں کہ حضرت والا اس وقت مدرسے کے بجائے گھر پر تھے اور گھر کے لیے ذرا چل کر جانا پڑتا ہے، تو چلتے چلتے کسی مرید نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ بس اڈے پر اترتے تو اچھا تھا کہ سواری مل جاتی۔ یہ سن کر مفتی صاحب نے عجیب جواب دیا کہ بھائی! حضرت کی خدمت میں حق تو یہ تھا کہ دیوبند ہی سے چل کر آتے، اگر ہم ناتواں اتنا نہ کر سکے؛ تو کیا یہاں سے بھی چل کر نہ جائیں؟!!

اللہ اکبر! یہ کہنے والے کوئی حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کے مرید وشاگرد نہیں؛ بلکہ ساتھی ہیں، اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ اور بزرگ ہیں؛ مگر آج ہم کو کسی سے اختلاف ہو جائے، تو اپنے سے بڑے عالم وفاضل کی توہین کرنے تیار ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ آج امت کو متحد ہونے کے لیے اور اپنی عظمتِ رفتہ وشوکتِ رفتہ کو واپس

لینے کے لیے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو اختیار کرے، جس کو اسلاف نے اختیار فرما کر اپنے آپ کو متحد کیا تھا اور عظمت کا سکہ دنیا پر قائم کر دیا تھا اور ان سے ساری طاقتیں ڈرتی رہتی تھیں اور ان سے ٹکر لینے کی کوئی ہمت و جرأت نہ کر سکتا تھا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ کسی بات پر اختلاف کا ہونا نہ کوئی عیب کی بات ہے، نہ ان ہونی چیز ہے؛ بل کہ دلائل کی بنا پر اختلاف ہو، تو یہ زندگی کی علامت ہے؛ مگر مخالفت و معاندت عداوت و شرارت نہ ہونا چاہیے۔

اس لیے اسلام کو ماننے والے تمام لوگوں میں آپس میں محبت و مؤدت ہونا چاہیے، ایک دوسرے سے ہمدردی و غم خواری کا جذبہ ہونا چاہیے اور آپس میں اتفاق و اتحاد ہونا چاہیے، خواہ رنگ و نسل میں حسب و نسب میں، جغرفیائی و علاقائی اعتبار سے وہ مختلف کیوں نہ ہوں؟!۔

جب اسلام کی آمد ہوئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر تعلیم و صحبت لوگوں کو میسر آئی، تو یک لخت وہاں کی کایا پلٹ گئی اور یہ نا اتفاقیاں اور اختلافات ،اتحاد و اتفاق کی لہروں میں تبدیل ہو گئے، معاشرے میں محبت و اخوت و ہمدردی و غم خواری، الفت و یگانگت کی فضا قائم ہو گئی۔ (واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اور ازواج کے ساتھ حسنِ سلوک

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے مکان میں تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حریرہ گھر میں تیار کیا اور لے آئیں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے نبی! میں نے یہ آپ کے لیے تیار کیا ہے، اس کو کھائیے، یہاں حضرت سودہ رضی اللہ عنھا بھی حاضر تھیں۔ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: تم بھی کھاؤ؛ لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں تو نہیں کھاؤں گی، وہ روٹھ گئیں؛ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصرار کیا کہ تمھیں کھانا پڑے گا، یہ اصرار وانکار اتنا بڑھتا گیا کہ دونوں کے درمیان میں بات ذرا آگے بڑھ گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر تم اسے نہیں کھاؤ گی، تو میں یہ کھانا تمھارے منھ پر مل دوں گی یعنی ایک مذاق اور تفریح کا موقعہ تھا۔

چناں چہ انھوں نے حریرے میں ہاتھ ڈال کر ان کے منھ پر مل دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازو بیٹھے ہوئے ہنس رہے تھے، مسکراہٹ آپ کے چہرے پر کھیل رہی تھی، جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ ان کا پورا چہرہ کھانے سے ملوث ہو گیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمھارے منھ پر یہ لگایا ہے، اب میں ان کے ہاتھ پکڑ لیتا ہوں، تم ان کے منھ پر یہ مل دو۔ چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ لیا، تو حضرت سودہ نے حریرہ اٹھا کر ان کے منھ پر مل دیا اور پھر ایک ہنسی کا موقعہ فراہم ہو گیا۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۲/۷۹۹)

کفارِ مکہ کا اختلاف- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر

آپ کا کمالِ عقلی اس واقعے سے ظاہر ہے کہ جب قریشِ مکہ نے کعبۃ اللہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کیا اور اس وقت ''حجرِ اسود'' کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا گیا تھا، تو تعمیر کے بعد قریش کے قبائل نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ حجر اسود کو کون اپنی جگہ نصب کرے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فضلیت اس کو ملے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ

لوگ اپنی بہادری اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرنے کے لیے عربوں کے دستور ورواج کے مطابق پیالوں میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگے کہ یہ فضیلت ہم حاصل کریں گے۔

اس میں اشارہ تھا کہ ہم جنگ کے لیے بھی تیار ہیں۔ایک تجربہ کار بوڑھے نے مشورہ دیا کہ ایسا کرو کہ کل صبح جو آدمی سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں داخل ہو، اسی کو اس کا اہل سمجھا جائے کہ وہ کعبۃ اللہ میں حجر اسود نصب کرے۔اس پر سب کا اتفاق ہوگیا، جب صبح ہوئی، تو سب سے پہلے اس میں داخل ہونے والے وہ ہمارے اور آپ کے آقا حضرت سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔جب قریش نے آپ کو دیکھا؛ تو خوش ہو گئے اور آپ سے کعبۃ اللہ میں حجر اسود نصب کرنے کے لیے کہا، مگر آپ نے اپنی کمالِ عقلی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے عجیب تدبیر پیش فرمائی۔آپ نے فرمایا کہ ایک چادر بچھادو، جب چادر ڈال دی گئی، تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اس میں رکھا، پھر تمام سردارانِ قریش سے فرمایا کہ سب اس چادر کو پکڑ کر چلیں، جب چلے تو کعبۃ اللہ کے پاس آپ نے رکوا کر اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو نصب کردیا، خود بھی اس فضیلت سے مشرف ہوئے اور سب کو بھی شامل کرلیا اور ایک بڑی جنگ سے لوگوں کو بچالیا۔

یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔(دیکھو! سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۹۷)

مخالفین موم ہو گئے

حضرت والا کے مجاز صحبت مولانا عبداللہ طیب حیدر آبادی فرماتے ہیں: کہ

ایک مرتبہ باندہ شہر میں حضرت پیدل چل رہے تھے، پیچھے میں چل رہا تھا دیکھا کہ گھروں کے سامنے بیٹھے لوگ حضرت کو دیکھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور سلام کرتے ہیں حضرت مجھ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں، عبداللہ دیکھتے ہوکیا ہورہا ہے میں خاموش ہوگیا۔

حضرت خود کہنے لگے کہ دس پندرہ سال قبل ہر گھر سے اس سے کہیں زیادہ گالیاں ملتی تھیں لیکن میں نے اس طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ ہی کوئی جواب دیا (یہ بطور تربیت کے حضرت نے فرمایا) (واقعات صدیق)

مخالفین کا احترام اوران کے ساتھ خاطر تواضع

ایک بار میاں محبوب (پیر اہل بدعت) کڑے مانی پور کے سجادہ نشین تشریف لائے تو حضرت ان کے سامنے مریدوں کی طرح بیٹھے اور پیر دبانا شروع کردیا ہم سب لوگ (مدرسین وطلباء) دیکھ دیکھ کر ایک دوسرے کو اشارہ کررہے تھے کہ آج یہ کیا ہورہا ہے۔ ایک مرتبہ مولانا احسان علی کروی کے رہنے والے جنکو ایک طبقہ طوطی ہند کہتا تھا اپنے مریدوں کے یہاں چھنیرا بستی جاتے وقت مدرسہ میں رُکے، طلباء نے ان سے کچھ سوالات بھی کئے جوابات سے ان کی جہالت پوری طریقہ سے واضح بھی ہوگئی، مگر حضرت نے ان کی پوری مہمان نوازی فرمائی اور فرمانے لگے یہ ہمارے پڑوسیوں کے پیر ہیں ہم پر ان پڑوسیوں کا حق ہے ہمارا کیا گیا، کسی طرح لوگ ہم سے قریب ہوں۔ (حقیقت وصداقت)

شہر باندا میں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی تشریف آوری اور باندا مخالفین کی فتنہ انگیزی اور اللہ کی نصرت کا عجیب واقعہ

حضرت نے فرمایا شروع میں ہم نے ایک مرتبہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو باندا میں تشریف آوری کی دعوت دی تھی، رمضان کا مہینہ تھا، میں ہتورا میں اعتکاف کئے ہوئے تھا اس وقت اطلاع ملی کہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے دعوت قبول فرمائی ہے، اور شوال کی ابتدائی تاریخوں میں تشریف لائیں گے، میں بڑا متفکر ہو گیا کہ اتنی جلدی کیسے انتظامات ہو سکتے ہیں، باندا کے منو بھائی اور شمیم محسن صاحب کے والد صاحب ہمارے بڑے محسنین میں سے ہیں، ان کو جب معلوم ہوا تو ان لوگوں نے میرے پاس اطلاع بھیجی کہ مولانا آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سارا انتظام ہم لوگ کرلیں گے، آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں، چنانچہ انتظامات کئے گئے، جب قاری صاحب کی تشریف آوری کا وقت قریب آیا تو منو بھائی چونکہ بڑے با اثر اور با اقتدار تھے اپنی کوشش سے بہت سے لوگوں کو قاری صاحب کے استقبال کے لئے جمع کیا، اور مجمع کے ساتھ قاری صاحب کو لینے کے لئے اسٹیشن پہنچے، پورا اسٹیشن اور پلیٹ فارم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بڑا شاندار استقبال ہوا، اتنا بڑا مجمع کسی کے استقبال کے لئے باندا میں کبھی نہیں ہوا، کسی بڑے سے بڑے عہدے دار کی آمد پر بھی اتنا مجمع نہ ہوتا تھا، باندا والوں نے کسی کے استقبال میں اتنا بڑا مجمع پہلی بار دیکھا تھا، بھرے مجمع کے بیچ سے قاری صاحب تشریف لائے فرشتہ صفت انسان نورانی چہرہ سب دیکھتے رہ گئے۔ (واقعات صدیق)

مؤلف کا تعارف

نام	:	علاء الدین قاسمی بن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب
ولادت و پیدائش	:	مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا) 847427
ابتدائی تعلیم	:	ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔
عربی اول	:	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)
عربی دوم، سوم	:	مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)
اعلیٰ تعلیم	:	عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند
فراغت	:	۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات . . .

درس و تدریس	:	درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر
حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں	:	فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری
موجودہ مصروفیات	:	خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف و تالیف کے مشاغل۔